سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر ۶۱

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہٗ کی مشہور تصنیف

موؤدہ

محرومِ وراثت لڑکی کا درد و غم بھرا افسانہ

جسے

رازق الخیری مالک عصمت بک ڈپو دہلی نے

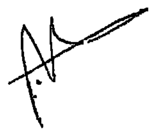
ملک محمد الدین صاحب ڈائرکٹر صوفی کمپنی و مالک صوفی بک ڈپو سے دائمی حق اشاعت حاصل کر کے

نومبر ۱۹۳۵ء میں شائع کیا

قیمت سات آنے ۷؍

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

١٣١٦٢



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موؤدہ کا بچپن اور بچپن کی مصیبتیں ہماری نگاہ کے روبرو، اس کی پیدائش اور پیدائش کی آفتیں سب ہماری آنکھ کے سامنے ہیں۔ یہ تو خدا اس بیچاری کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جس کے طفیل بدنصیب کو یہ نام بھی میسر ہوگیا ورنہ سنگدل باپ مودود حسن کا بس چلتا تو اغلو بغلو نہ معلوم کیا نام رکھتا زچگی کی تیاریاں دنوں پیشتر شروع ہو چکی تھیں۔ خاندان پورا تھا مگر عورت مرد ہر شخص اپنی توقعات میں کچھ ایسا تیقن تھا کہ بیٹی کے پیدا ہونے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ بہ ظاہر سب مسلمان تھے، اور تھے کیا سمجھتے بھی تھے اور تھے بھی لیکن خدا سے کسی واسطہ کا یقین مرنے کے بعد ہو تو ہو دنیا میں تو ہر کوشش کا نتیجہ کبھی اپنی عقلمندی پر محمول کیا جاتا اور کبھی واقعات پر۔ یہاں تک ہوا ہے اور ایک دو مرتبہ نہیں کئی دفعہ کہ کبھی کسی بڑی بوڑھی نے خوش ہو کر دعا دی کہ "خدا اسپوتا کرے" تو بجائے خوش ہونے کے مودود صاف بگڑ گیا اور کہہ دیا "بیٹی ذلیلوں کے یہاں ہوتی ہے، ہم سے کیا واسطہ، ہمارے یہاں بیٹا، اچھلتا کودتا بیٹا، سات دودھ دھویا بیٹا، بیٹوں کی کمی کیا" تین بیٹے اور موجود تھے۔ کچھ یہ نہ تھا کہ مودود لنگڑا لولا تھا ہو گر پھر بھی کیفیت یہ تھی کہ جس روز سے حمل کی خبر سنی، بیوی کی خاطر مدارات میں آسمان زمین کا فرق ہوگیا یہ کچھ مودود ہی کی حالت نہیں، خاندانی مزاق تھا

کہ اسّی برس کے بڈھے پھونس بھی اسی ارمان میں مر گئے کہ ایک لڑکا اور ہو جاتا۔
مغلوں کا یہ بابری خاندان کتنا ہی بڑھ بڑھ کر بولے اور چڑھ چڑھ کر کہے، ان کی نجابت و شرافت ہمارے سر آنکھوں پر، مگر عورت کے متعلق تو انہوں نے جہالت قبل از اسلام کا پورا نمونہ دکھلا دیا اور ایسے ظالم شقی القلب و سفاک نکلے کہ ان کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مودود کا پردادا ایک پتھر انسان تھا۔ جس نے بھرے پنچوں کے سامنے اور تمام خاندان کے روبرو دو بے زبان بچیوں کا گلا گھونٹ کر پیوندِ زمین کر دیا اور تیوری پر بل تک نہ لایا۔ ہنس ہنس کر مارا اور کھل کھل کر دبایا۔ بابری اس ہمت کو جو دل چاہے کہیں اور جو جی میں آئے سمجھیں مگر ہم تو خدا کا عذاب ہی کہیں گے کہ پوری صدی تک خاندان بھر میں لڑکی پیدا نہ ہوئی۔ بچے ہوئے اور اگر تمام خاندان کا حساب کرو تو سال میں ایک یا دو نہیں تین تین اور چار چار، مگر جہاں دیکھو لڑکا اور جدھر دیکھو لڑکا! اس اعتبار سے تو مودود چنداں قابل الزام نہیں کہ لڑکوں ہی کی پیدائش میں بچہ ہوا اور اسی میں جوان، مگر بیوقوف اتنا تو سمجھتا کہ یہ ہم جو دوسروں کی بیٹیاں دھڑا دھڑ لا رہے ہیں تو ہم میں ایسے کیا سرخاب کے پر ہیں، لیکن اتنی عقل ہوتی تو رونا کا ہیکا تھا۔ بابری خاندان کے جوان کی یہ پہچان الگ تھی کہ دونوں مونچھیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اُن کی یہ آن کہ صرف لڑکی کی پیدایش ہی ان مونچھوں کو زیر کر سکتی ہے پورے ستّر سال تک نہیں مگر مودود کی بیوی محسنہ کا یہ حمل بلائے بے درماں ثابت ہوا۔ یقین کا درجہ یہ تہا کہ وضع حمل سے مہینہ مہینہ بھر پہلے دُنیا بھر کے ہیجڑے اور بھانڈ میراثیں اور طائفے آکر جمع ہو گئے روپیہ کی کمی نہ تھی مودود ایک پورے تعلقہ کا مالک اور دو لاکھ کی جائداد پر قابض تھا۔

علاقہ میں اس سے بڑے بڑے تعلقہ دار ایک دو نہیں، دس پانچ موجود تھے۔ مگر وہ ان سب سے برابر کی ملاقات رکھتا اور پوری ٹکر جھیلتا۔ جلسوں میں، چندوں میں، تجویزوں میں، اعلانوں میں، اس کی شخصیت کسی سے کم نہ رہتی۔ بڑی بات اس کا دل تھا کہ اشرفیاں، جب تک جیا، ٹھیکریوں کی طرح اٹھائیں اور دولت، جس وقت تک رہا، کوڑیوں کی مانند بہائی۔ گھوڑے۔ گائے۔ بھینس۔ گاڑیاں۔ چھکڑے۔ یہ، وہ، غرض زمینداری کا بکھیڑا جو جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ بلکہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ وقت پر کوئی چیز کسی کے یہاں نہ ملی، ساری بستی میں ڈھونڈ لی اور ملی تو مودود کے ہاں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ایسے گھر اور ایسے شخص کے گھر میں جو وقعت بیوی کی ہونی چاہئے وہ نہ تھی۔ اس کو بیوی کی مؤانست ضرور تھی اور اس سے بھی انکار نہیں کہ وہ بعض اوقات اس کی تکلیف سے متاثر بھی ہو جاتا۔ مگر یہ جذبۂ محبت اس پرند سے کم نہ تھا جو کنار دریا پر مادہ کے شکار ہو جانے سے چند لمحے کے واسطے درختوں کی شاخوں پر بیٹھ بیٹھ کر مضطربانہ واویلا کرتا ہوا اور تھوڑی دیر بعد قطعاً بھول جائے۔

ہماری رائے میں جو تعلق مودود کو محسنہ سے تھا اس پر محبت کا اطلاق بہت مشکل سے ہوگا یہ صحیح کہ وہ اس کے آرام و آسائش کا، کھانے پینے کا، روٹی کپڑے کا، رہنے سہنے کا، خیال رکھتا، انتظام کرتا، مگر اس کا بڑا حصہ بھی اس کی نفسانیت سے متعلق تھا۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ محسنہ بیمار ہوئی، بلکہ ایک دفعہ تو خدا ہی کے یہاں سے بچی، گرمی میں نمونیا ہوا اور اس شدت کا کہ دیکھتے ہی دیکھتے جان کے لالے پڑ گئے، مودود کیا حکیم اور ڈاکٹر سب مایوس ہو چکے تھے، مگر زندگی تھی بچ گئی۔ ایسے شدید

مرض اور خطرناک علالت سے بچنا ہنسی کھیل نہ تھا۔ نقاہت اس درجہ بڑھی کہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ تک چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو سکی۔ مودود دو تین پانچ روز تک تو خاموش رہا مگر پھر صاف کہہ دیا اور کچھ چپکے سے نہیں، چوری چھپے نہیں، کھلم کھلا اور ہانکے پکارے، کہ "ٹوٹا باسن کسیرے کے سر۔ اگر بیماری کا یہ ہی رنگ اور مرض کے یہ ہی ڈھنگ ہیں تو چند روز کے واسطے میکے چلی جاؤ، تندرست ہو کر چلی آنا، مجھے تو اور تمہاری طبیعت دیکھ دیکھ کر اذیت ہوتی ہے یہ بھی کوئی بیماری ہے کہ ادھر نہ ادھر، ادھر ہیں پڑے لٹک رہے ہیں۔ موت یا زندگی دو ہی چیزیں ہیں۔ آدمی اٹھ بیٹھا یا چلدیا، چلو چھٹی ہوئی۔ اوپر والوں کو تو کشائی ہیں نہ ڈالا۔ ہنسنا یا رونا دو ہی کام ہیں، ہنستا ہوا ہنس لئے، روتا ہوا رو لئے، مگر جو کچھ ہونا ہے ایک دفعہ ہو لے۔ یہ کیا کہ دن رات رو رہے ہیں بیمار تم ہو اور پریشان ہیں، کوئی کام میں نہیں کر سکتا، کوئی کاج مجھ سے نہیں ہوتا، کہیں جانے کا ہیں نہیں، آنے کا ہیں نہیں، آنکھ سے اوجھل ہو جاؤ گی تو یہ ہر وقت کی تشویش تو رفع ہو جائے گی۔"

یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ گو کنبہ بھر میں مودود کی محبت مشہور تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ محسنہ کی زندگی بیشک اور بے شبہ کامیاب زندگی ہے مگر حقیقی محبت جو کامیابی کا راز ہے، محسنہ کو میسر نہ ہوئی۔ یوں تو جانور پال لیتے ہیں اس کا بھی خیال ہو جاتا ہے۔ ہاں اس سے انکار نہیں کہ دیکھنے میں بعض باتیں اس سے ایسی ظہور میں آئیں کہ محبت کیا عشق کے درجہ کو پہنچ رہی تھیں۔ منونیا کے ابتدائی تین دن اور تین راتیں اس طرح گزاریں کہ اس نے بیوی کی پٹی دم بھر کو بھی نہ چھوڑی۔ ایک چھوڑ تین تین لڑکے تھے معاملہ کو

سمجھ اور بات کو دیکھ سکتے تھے۔ ماں کے واسطے جس قدر مضطرب اور جتنے بیقرار ہوتے جائز تھا مگر آتے، بیٹھے، پوچھا، اور چلے گئے، خدمت جس کا نام ہے اور ہمدردی جس کو کہتے ہیں وہ لاریب موجود دینے کی۔ مگر یہ جو کچھ تھا باسی کڑی کا ابال یا دودھ کا جوش۔ دو تین روز کے بعد سب ختم۔ چوتھے روز تو یہ رنگ تھا کہ کھڑے کھڑے آیا ایک آدھ بات کی اور سیدھا ہو لیا۔ حد یہ ہے کہ کھانا جو بارہ [12] مہینے زنانہ میں کھایا باہر جانے لگا۔ اس طبیعت کا انسان جس کے مزاج میں استقلال کا کبھی خیال بھی پیدا نہ ہوا صادق ہو ہی نہ سکتا تھا۔ جس طرح اور بہت سی باتیں تھیں کہ رَو کی طرح دماغ میں آئیں اور وہ جوش پیدا ہوا کہ دیکھنے والے اور سننے والے کہتے اور سمجھتے کہ یہ کام ضرور پورا کر کے چھوڑے گا اور چند روز بعد ایسا ٹھنڈا پڑا کہ اس سیلاب کا خواب میں بھی نشان نہ تھا۔ اسی طرح یہ محبت کا طوفان بھی تھا کہ اُمنڈ آنے پر آتا تو دنیا و ما فیہا سب فراموش، اور گیا تو ایسا، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

المختصر ولادت کے اہتمام کی تو یہ دھوم دھام کہ ضرورت کی تمام چیزیں اور اس سلسلہ کا سب اسباب مہینہ ڈیڑھ مہینہ پہلے فراہم کر لیا۔ حتیٰ کہ انگریزی دائی بھی اسے خواہ دائی کہو یا لیڈی ڈاکٹر پندرہ روز پہلے سے آموجود ہوئی، اور عین وقت کی حالت یہ کہ ۳ بجے سے صبح سنہ درد زہ میں تڑپی۔ چار [4] گھنٹے دن کے اور سات گھنٹے رات کے سب انتہا پریشانی میں گذرے۔ مگر رات کے دو بجے جب دائی گھبرا کر نکلی اور موجود دود سے کہنا چاہا کہ مجھ کو رنگ اچھے نظر نہیں آتے۔ احتمال ہے کہ بچہ پیٹ میں مر گیا تو پیغمبر پڑا خرابے سے رہا تھا۔

لیکن یہ دائی کا وہم تھا اور وہ ڈرتی تھی کہ بڑا گھر ہے اگر کہیں ایسی ویسی ہو گئی تو نہ معلوم یہ شور سے پُشت رگ کیا مصیبت ڈھا دیں۔ درحقیقت درد کی انتہائی تکلیف سے چند لمحہ کے واسطے بچّہ کی حرکت بند ہو گئی تھی ورنہ اندیشہ کی بات نہ تھی۔ پلٹ کر دیکھتی ہے تو بچّہ پیٹ میں دوڑا پھر رہا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی ممکن تدبیر ایسی نہ تھی جو دائی نے چھوڑ دی ہو۔ مگر بچّہ پیدا نہ ہونا تھا اور نہ ہؤا۔ مؤذن اذان دے رہا تھا کہ مودود بھی بستر راحت سے اُٹھے کچھ نماز کے واسطے نہیں، بلکہ لوگوں کے غُل غباڑے سے۔ اور پہلی بات یہ ہی دریافت کی کہ "لڑکا ہو گیا؟" جب یہ سُنا کہ "نہیں ہؤا اور تکلیف بہت زیادہ ہے" تو گھبرا کر دروازہ پر آ آواز دی۔ اندر محسنہ مچھلی کی طرح درد میں تڑپ رہی تھی۔ دائی سے پوچھا کہ "اسقدر دیر تو کبھی نہیں لگی اور ایسی تکلیف بھی آجتک نہیں ہوئی کیا وجہ ہے؟"

دائی "میری رائے میں بہت جلد بچّہ پیدا ہو جائیگا۔ درد ہے ضرور۔ مگر جس شدت کا ہونا چاہئے اتنی شدت کا نہیں ہے۔"

محسنہ کو دائی کا یہ جواب ناگوار ضرور ہؤا اور اگر تکلیف کی یہ کیفیت نہ ہوتی تو وہ ضرور دائی کو ایسا جواب دیتی کہ وہ بھی عمر بھر یاد رکھتی۔ مگر رُکتے رُکتے اتنا تو پھر بھی کہہ دیا کہ "درد نے میری جان پر بنا دی اور آپ کی رائے میں ابھی درد شدت کا ہؤا ہی نہیں! اور کیا جان نکل جائے تو درد کی شدت ہوگی؟"

اسوقت البتہ میاں کو بیوی سے یا بیوی کی تکلیف سے ہمدردی تھی مضطرب تھا۔ پریشان تھا۔ اندر آتا تھا باہر جاتا تھا۔ دُعائیں مگر دوائیں کسی قسم کی کسر چھوڑی۔ دائی دوسری آئی۔ تیسری آئی مگر دوپہر تک بچّہ کسی طرح پیدا نہ ہوا۔ غالباً ایک بجا ہوگا

کہ اُدھر سے بچہ کے رونے کی آواز کان میں آئی اُدھر دائی نے مبارکباد دی۔ لڑکی کی پیدائش کا خیال دماغ سے اسقدر دور تھا کہ مودودی نے نہیں اور کسی نے بھی یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ کیا ہوا، بچہ کو نہلا دُھلا زچہ کو ٹھیک ٹھاک کر جب دائی چلنے لگی تو اس نے کہا کہ "سخت وقت ہوئی ہے لڑکی پائل تھی۔"

اب البتہ مودود نے ذرا تعجب سے سُنا مگر باوجود اس کے کہ دائی یوروپین تھی اور یہ آنے کا پہلا موقع، مگر سمجھا کہ ہنسی سے کہتی ہے۔

مودود "جی نہیں لڑکی تو ہمارے یہاں ہو ہی نہیں سکتی!"

دائی۔ "لڑکی پیدا ہوئی ہے۔"

مودود "کیا عرض کروں مس صاحب ناممکن ہے!"

دائی۔ "تو کیا آپ کی رائے میں میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

مودود "جی نہیں۔ مگر آپ کو دھوکا ہوا۔"

اس کے بعد دائی نے کچھ جواب نہ دیا اور چلی گئی۔ مودود دائی کی اطلاع مذاق سمجھتا ہوا اندر آیا، تو بڑے لڑکے نے جس کی عمر نو برس کی تھی آگے بڑھ کر کہا "ابا جان ننھی بوا پیدا ہوئی۔"

باپ "کیا بک رہا ہے لڑکی نہیں ہو سکتی۔"

بیٹا "یہ ہی سب کہہ رہے ہیں مجھے تو خبر نہیں۔"

باپ بیٹوں کی ایک ہی بات ہوئی تھی کہ ہندوستانی دائی بولی "میاں، یہ بیٹی ان سو بیٹوں سے افضل ہے کہ اللہ نے تمہاری بیگم کی جان بچائی۔ جان ہی کے

لا کے تھے۔ بیٹا اور بیٹی یہ ہی دو چیزیں ہیں۔ اللہ تیسری کا منہ نہ دکھائے"

مودودہ کو تو خیر رنج یا فکر جو کچھ بھی تھا مگر اصل رنج یا صدمہ جو کچھ تھا وہ محسنہ کو، وہ ڈر رہی تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ سناٹا تو اس کو اسی وقت آ گیا تھا جب سنا کہ لڑکی پیدا ہوئی۔ آپ اس وقت مودودہ کے آنے اور اس طرح گھبرانے سے دل اور بھی دھڑ دھڑ کر رہا تھا کہ خدا خیر کرے۔ جب باپ کو پورا اطمینان ہو گیا کہ لڑکی پیدا ہوئی تو یہ یقین ایک بلا تھی ایک مصیبت تھی ایک آفت تھی کہ غصہ کے مارے چہرہ سرخ، آنکھیں لال، بدن میں لرزہ، اور ہاتھ پاؤں میں رعشہ تھا۔ منہ سے کف، اور آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ ٹہلتا اور سانپ کی طرح سر دھنتا رہا۔ کئی دفعہ قصد کیا کہ لڑکی کو اٹھا کر زمین پر دے پٹخے یا گلا گھونٹ دے۔ مگر جانتا تھا کہ خبر چھپنے اور بات دبنے والی نہیں۔ سزا یقینی اور نتیجہ ظاہر۔ فیصلہ یہ کیا کہ رات سے رات جب موقعہ دیکھوں گا کام تمام کر دوں گا باہر آیا مگر آ کر بیٹھا ہی تھا کہ تحصیلدار صاحب کی مبارکباد پہنچی۔ اور ابھی اس مبارکباد سے پورا متاثر بھی نہ ہوا تھا کہ تھانہ دار "مبارک مبارک" کہتے سر پر آ دھمکے۔

(۲)

نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں بیٹی کا پیدا ہونا تھا کہ تمام شہر میں خبر مشہور ہو گئی دوست آشنا، عزیز اقارب، افسر حکام، سب ہی کو علم ہو گیا۔ اس شہرت نے منصوبوں کے چھکے چھڑا دئیے محل دم بھر میں ڈھا دیئے اور وہ جو گلا گھونٹنے کا قصہ مصمم ہو چکا تھا وہ بھی ختم ہوا

نزلہ بر عضو ضعیف، بچی تو اس قابل تھی ہی نہیں کہ اس سے بدلہ لیا جاتا لے دے کر ساری غلطی، پورا قصور، جو کچھ تھا وہ بیوی کا، اس کے سر پڑی۔

بات چیت میں کمی، لینے دینے میں لاپرواہی، خرچ برچ میں تساہل، تو اوّل ہی روز سے ہوگیا تھا، ایک ہفتہ بعد تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ کھڑے کھڑے برائے نام آیا، اُلٹی سیدھی دو چار باتیں وہ بھی محبت یا ہمدردی کی نہیں غصّہ اور خفگی کی کیں، اور چل دیا۔ لڑکی ابھی آٹھ ہی روز کی تھی کہ اس کی شادی بیاہ کے نام نقشے آنکھ کے سامنے پھر گئے۔ یہ رنج ہاتھ دھو کر ایسا پیچھے پڑا کہ کھاتے پیتے سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے کسی موقعہ اور کسی حال میں وہ اس خیال سے علیحدہ نہ ہوتا۔ محسنہ چند روز تک تو ہنس ہنس کے ٹالتی اور سُن سُن کی اُڑاتی رہی مگر ایک روز اس نے میاں سے کہہ ہی دیا۔

"لڑکے اور لڑکی کی پیدائش خدا کے اختیار میں ہے۔ لڑکے پر خوشی اور لڑکی پر ناخوشی خدا کی ناشکری ہے۔ وہ بھی اسی کی دین ہے اور یہ بھی۔ تم جو مجھ سے ناخوش ہو تو کیا یہ میرے اختیار کی بات تھی کہ میں نے بیٹے کو بیٹی بنا دیا۔ اگر یہ میرے بس کا کام ہوتا تو میں ایسا کیوں کرتی؟"

مودود: "اگر تم اس صدمہ سے واقف، اور اس نتیجہ سے باخبر ہوتیں جو اس ناشُدنی اور ناہنجار موؤدہ کی پیدائش میں مضمر ہے تو یہ الفاظ تمہاری زبان سے نہ نکلتے۔ یہ لڑکی اپنے ساتھ وہ مصیبت لائی جس کا چارہ وہ مرض جس کا علاج وہ دُکھ جس کی دوا نہیں۔ اس کی وجہ سے خاندان میں تفرقہ پڑا۔ جو لوگ برسوں شیر و شکر رہے وہ ایک ایک کر کے تنکے کی طرح منتشر ہونگے جہاں پھوٹ کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا وہاں جوتیوں میں دال بٹے گی۔ جائداد اس کی ہستی سے برباد۔ علاقہ اس کے ظہور سے ناس اور عزت اس کی پیدائش سے ذلت ہو جائے گی۔ کیا میں اس وقت کے واسطے زندہ رہونگا جب ایک شخص اس کی پالکی میرے دروازہ سے بیاہ کر لیجاوے؟ کیا مجھے وہ وقت دیکھنا

پڑے گا کہ ایک داماد میرے گھر پر بیٹھا ہو! نہیں، ہرگز نہیں، موت بہت بہتر ہوگی اس منظر سے، تم عورت ہو، بیوقوف ہو، اس کی پیدائش نے میری تمام عزت آبرو آن بان پر پانی پھیر دیا، یہ وہ چیز ہے جس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں نیچی کر دیں۔

ایران کے ایک بادشاہ کا ذکر ہے کہ روز شام کے وقت سیر کو نکلا کرتا تھا، چونکہ وہ لوگ کجکلاہ کہلاتے ہیں حکم یہ تھا کہ سوا بادشاہ کے کوئی دوسرا شخص ٹیڑھی ٹوپی نہ اوڑھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ بادشاہ چلا جا رہا تھا سامنے سے اس نے دیکھا کہ ایک شخص ٹیڑھی ٹوپی رکھے چلا آ رہا ہے۔ حکم دیا کہ "گرفتار کر لو اور سَو روپیہ جرمانہ کرو، اس حکم کی تعمیل کی گئی دوسرے روز پھر شام کو بادشاہ نے اس شخص کو ٹیڑھی ٹوپی اوڑھے دیکھا، متعجب ہوا اور پھر وہی حکم دیا۔ تیسرے روز پھر یہی واقعہ دیکھا اور وہی سلوک کیا ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا کہ "اگر یہ باز نہیں آتا تو روزانہ سَو روپیہ جرمانہ خزانہ میں داخل کر دیا کرے۔"

یہ سلسلہ دو سال تک برابر جاری رہا۔ اس کے بعد ایک دن بادشاہ نے اس کے سر پر سیدھی ٹوپی دیکھی۔ تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ اسی وقت حکم دیا کہ "دربار شاہی میں یہ شخص حاضر کیا جائے۔" حکم کی تعمیل ہوئی بادشاہ نے اس کے حوصلے اور ہمت کی بہت کچھ تعریف کی اور کہا "میں خوش ہوں کہ میری رعیت میں ایسے ایسے پابند وضع لوگ موجود ہیں متواتر کئی سال تک تم نے بے غل و غش روپیہ ادا کیا اور ٹوپی سیدھی نہ اوڑھی۔ میں جانتا ہوں کہ تم تاجر ہو اس طرح تو خدائی کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا۔ بہر حال مجھے تمہاری یہ وضعداری

پسند آئی۔ آج سے تم کو خزانہ شاہی سے سَو روپیہ روز ملیں گے تم اسی طرح ٹیڑھی ٹوپی اوڑھ کر بازار میں نکلا کرو اور یہ روپیہ بطور جرمانہ کے داخل کر دیا کرو۔"

اتنا سُنتے ہی سوداگر رو پڑا اور کہا "بادشاہ خدا کی عنایت اور آپ کے اقبال سے میرے پاس اسقدر کافی دولت موجود ہے کہ میں کیا میری ساٹھ پُشتیں بھی سَو روپیہ روز ادا کر کے ٹیڑھی ٹوپی اوڑھ سکتی ہیں۔ مگر وہ ٹیڑھی ٹوپی آج رات کو بارہ بجے ختم ہو گئی کیونکہ میرے یہاں لڑکی پیدا ہو گئی۔ اس کی پیدائش نے میری اکڑ کا خاتمہ کر دیا اب بیٹی کا باپ ہو کر ٹیڑھی ٹوپی رکھنا تو درکنار اس قابل بھی نہیں ہوں کہ گردن اونچی کر کے کسی سے بات کر سکوں۔"

"تم خاک نہیں سمجھتیں کہ تمہارے یہاں اس لڑکی کی پیدائش نے میری تمام امیدوں اور اُمنگوں کا خاتمہ کر دیا! اب مجھ میں یہ ہمت نہیں کہ کسی کے سامنے تن کر بات کر سکوں۔ سَو سال سے یہ بلا ہمارے گھر پر نازل نہ ہوئی تھی مگر اب تمہارے طفیل یہ مصیبت آئی۔ تم جس طرح بھی ممکن ہو سکے اس کا گلا گھونٹو، زہر دو یا کوئی تجویز کر کے اس کی زندگی پوری کر دو، ورنہ یا درکھو میں اب دُنیا میں رہنے والا نہیں"

محسنہ "میں تمہاری رائے میں دخل نہیں دے سکتی، اور نہ یہ مناسب سمجھتی ہوں کہ اس کہانی کو جھٹلاؤں اور کہوں کہ کسی کا مَن گھڑت فسانہ ہے۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو، مگر جو کام قُدرت نے اپنے اختیار میں رکھے ہیں جہاں عقل و تدبیر کا گذر ہی نہیں، وہاں انسان کس طرح قابلِ الزام ٹھیر سکتا ہے؟ رہا مار ڈالنا، مصیبت ہے تو اور

بلا ہے ائیں تو کالے ناگوں کی پرورش کرتی ہیں یہ تو انسان کی صورت ہے۔ میں نے آخر نو مہینے پیٹ میں رکھا اور اب پانچ چھ مہینے سے خونِ جگر پلا رہی ہوں۔ ہاں تم کریں منع نہیں کرتی۔ شوق سے اپنی خواہش پوری کر و میں یہ نہیں چاہتی کہ اس کی وجہ سے تمہاری زندگی برباد ہو۔"

مودود۔" خرابی تو یہی ہے میں تو آج کبھی کا کام تمام کرچکا ہوتا۔ مگر حکام کو اس کی خبر ہو گئی اور میری طرف سے سب ایسے بدظن ہیں کہ اگر یہ کمبخت اپنی موت سے بھی مر جائے تو شاید یہی شبہ کریں کہ میں نے مار ڈالا۔"

محسنہ۔" تو اب جو تم بتاؤ وہ میں کروں۔"

مودود۔" بتاؤں کیا خاک اور کروگی کیا پتھر! تم کو جو مصیبت ڈھانی تھی اور اس کو جو بلا نازل کرنی تھی وہ تم نے ڈھائی اور اس نے کی۔ اب اس کا علاج اگر ہے تو میری موت اور کچھ نہیں۔"

یہ کہتا ہوا مودود باہر چلا گیا۔ محسنہ میاں کے تیور شروع ہی سے دیکھ اور سمجھ رہی تھی کہ لڑکی کی پیدائش نے یہ غضب ڈھایا ہے راتوں کی نیند اور دنوں کی بھوک اُڑ گئی، کھانا پینا، ہنسنا بولنا چھوٹ گیا۔ آئے، سر منہ اوندھایا اور پڑ رہے۔ آج عقدہ پورا ہی کھل گیا اور معلوم ہوا کہ بیٹی بیٹی نہیں آفت اور مصیبت ہے اور اتنی کڑی اور ایسی سخت کہ توبہ توبہ۔

پہلے خیال تھا کہ باتوں ہی باتوں میں میاں کا خیال بدل دونگی اور اس آفت کو نعمت بنا دونگی۔ مگر اب جو واقعات نے دوسرا یقین دلایا تو میاں کی پریشانی سے بہت کچھ متاثر ہوئی۔ اور سوچنے لگی کیا کروں معاملہ ایسا ٹیڑھا، اور بات اتنی پیچیدہ تھی کہ کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی تھی"

باپ کے صدمہ اور ماں کی پریشانی کے ساتھ ساتھ مودودہ کی عمر لحہ بہ لمحہ

ترقی کرتی گئی اب مودود کو صرف ایک تسکین تھی اور وہ یہ، کہ شاید اتفاق کوئی سامان ایسا پیدا کر دے کہ میں اس رنج سے نجات پاؤں۔ آخر آئے دن سُنتا رہتا ہوں کہ فلاں بچہ مر گیا، اکثر کانوں میں ماں باپوں کے رونے پیٹنے کی آواز آتی رہتی ہے، بارہا یہ صدا کان میں آتی ہے کہ متلی جھرے کا زور ہے، کھسرا کے دن ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ مودودہ بھی ان میں سے کسی کی بھینٹ چڑھے۔

مگر جن کو لاڈ بہتیرے ان کو دکھ گھنیرے، مودودہ کی پرورش کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا، لاڈ اور پیار محبت اور اُلفت تو درکنار ماں کے سوا بدنصیب کو کوئی گود میں لینے والا بھی تو نہ تھا اور وہ بھی خدا معلوم واقعی یا میاں کے خوش کرنے کو گھنٹوں اکیلا کھٹولے پر چھوڑ کر گھر کے کام کاج اور میاں کے آگے تاگے میں پھرتی۔ مگر کیا مجال جو وہ کبھی روئے یا آواز نکالے۔ بیماری کیسی اور علالت کس کی دنل گیارہ مہینے کی بچی مگر کسی دن اور کسی گھڑی یہ نہ سُنا کہ آج مودودہ کی اُنگلی بھی دُکھی ہو۔ حسنہ کی بابت یہ خیال یقیناً ظلم ہوگا مگر مودود تو رات دن اس کا متوقع اور منتظر تھا کہ اس کی بیماری یا موت کی صدا کب کانوں میں آتی ہے۔

ایک روز رات کے وقت دونوں میاں بیوی جاگ رہے تھے اور اسی سلسلہ میں گفتگو ہو رہی تھی مودود نے کہا ”دیکھو کیا اتفاق ہے لڑکے پیدا ہوئے تو کیسی کیسی دقتوں اور تکلیفوں سے پلے اور بڑھے۔ اس کمبخت کی بابت تو کبھی یہ بھی نہیں سُنا کہ آج بُخار ہے اور یہ عجیب لُطف ہے کہ لڑکے وہاں پان اور یہ اتنی سی فتنی فیل کی فیل! پرسوں بیری تطر اتفاق سے جا پڑی۔ معلوم ہوتا تھا ہاتھی کا بچہ لیٹا ہوا ہے۔“

حسنہ۔ ہاں خدا کی قدرت ہے، وہ اپنے تماشے دکھا رہا ہے۔ بڑھے اور

سنبھلے دونوں کے دانت کیسی مصیبت سے نکلے ہیں کہ سارے گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا۔ تین دن تک دونوں وقت برابر ڈاکٹر آیا، نشتر لگایا، دوائیں ملیں، جب کہیں جاکر بخار اترا، مگر اس کمبخت کے چار دانت نکل آئے اور آنکھ تک میلی نہ ہوئی"

محسنہ اگر باپ کی طرح دشمن تسلیم کرلی جاتی تو ممتا کا تعلق ہی سرے سے کالعدم ہوجاتا۔ وہ ماں میں ہاں ضرور ملاتی تھی اور بعض دفعہ نفرت کا اظہار شاید میاں سے بھی کچھ بڑھ کر کردیتی۔ مگر اس نفرت میں مصلحت اور شکایت میں محبت کی جھلک ہمیشہ موجود ہوتی موؤدہ سمجھتا یا نہ سمجھتا ہم اس کو بھی محسنہ کی کامیابی ہی تصور کرتے ہیں ورنہ تعجب نہیں کہ اگر موؤدہ کو شبہ ہوجاتا کہ محسنہ میرے دشمن کی دوست ہے تو شاید دشمن کے ساتھ دوست کو بھی سلام کرتا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ بیوی نے شروع شروع میں تو دو ایک دفعہ جبر ورنہ ہمیشہ میاں کے سامنے گفتگو میں بچی کی طرف سے بے رخی ظاہر کی۔

(۳)

اتفاق کی بات تھی کہ رات کو میاں بیوی کی یہ گفتگو ہوئی اور صبح کی نماز کو جو محسنہ اٹھی اور دیکھتی ہے تو موؤدہ کا بخار میں بھلس رہی ہے، اس غضب کا بخار ہے کہ چنے بھون لو، آنچ ہے کہ کرتہ کے اوپر سے آرہی ہے، جان ہی تو نکل گئی، میاں برابر میں سوتا تھا اور یہ حکم نہ تھا کہ رات کو کسی وقت بھی بچی کے رونے کی آواز کان میں آجائے، یا علی الصباح اس کی صورت دیکھ لے۔ اسی طرح اٹھا سامنے کے دالان میں لیجا، لٹا دیا۔ وضو کیا، نماز پڑھی، مگر پڑھی کیا خاک، دھیان کہیں، کان کہیں، خیال کہیں، آپ کہیں، زبان پر اللہ اللہ تھا اور دل میں موؤدہ موؤدہ اٹھی سب بھی، لپک لپک نماز پڑھی بچی کو آ کلیجے سے لگا بیٹھ گئی۔ مگر پھر خیال آیا کہ میاں کی آنکھ کھل گئی اور خلاف عادت یہ رنگ دیکھا تو نہ معلوم کیا

آفت ڈھائیں۔ وہیں چھوڑ چھاڑ باورچی خانہ میں آئی اور چاء وغیرہ کی دیکھ بھال کرنے لگی۔

یہ بھی عجیب نازک وقت تھا اور گو بظاہر نہ معلوم ہو، مگر حقیقتاً ایک شوہر کی یہ سنگدلی کچھ کم نہ تھی کہ اس کے خوف سے ایک ماں کلیجہ کی لگی کو اس کی ضرورتوں پر قربان کر دے۔ جیسی بھی تھی اور جس حال میں تھی ماں تھی، دل میں خراب وہم اور طبیعت میں برے خیالات برابر آرہے تھے مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ بچی کو جا کر گود میں لے لے۔ مودود اٹھا، منہ ہاتھ دھویا، چاء پی، دو چار باتیں کر کرا، باہر گیا تو آئی اور بیمار بچی کو لے کر بیٹھی۔ اب البتہ محسنہ کی حالت خراب تھی بخار اور بھی تیز تھا اسوقت اسکو یہ خیال آیا کہ میری بات خدا کو ناگوار گزری۔ رات کو میں نے بھی تو کہا کہ لڑکوں کی یہ کچھ حالت ہوئی۔ اور یہ بھلی چنگی زندہ ہے، کبھی اس کی بیماری کو سوچتی۔ کبھی اپنے خیالات میں غرق ہو جاتی۔ اور جب یہ خیال آجاتا کہ اس بدنصیب کو حکیم یا ڈاکٹر تو کیا شربت اور دوا بھی نصیب نہ ہوگی تو کلیجہ ٹوٹ جاتا۔ دوپہر اسی ادھیڑبن میں ہو گئی۔ یہانتک کہ شام سر پر آئی اور مودود حسب قاعدہ گھر میں آیا۔ اب لاریب مصلحت اور فطرت کا مقابلہ تھا۔ خوب سمجھتی تھی کہ واقعہ کا علم مفید ہوگا مگر مصلحت مامتا کے سامنے ہیٹی پڑی، اور بیٹی کی محبت ضرورت پر غالب آگئی، دن بھر کے سخت بخار نے مریض کی حالت اور بھی ردی کر دی تھی۔ کئی دفعہ منہ میں دودھ دیا، مگر نہ پی سکی۔ اس نے محسنہ کی جان پر بنا دی میاں دروازہ میں آیا اور نہ سنبھلی، اندر آیا اور نہ دیکھا، سر پر آیا اور نہ اٹھی۔ پوچھا "کیوں اس طرح کیسا بیٹھی ہو؟ کیا بیمار ہو گئی؟"

قیاس چاہتا تھا کہ محسنہ کی طبیعت میاں کے سوال کو تسکین سمجھ کر بے اختیار ہو جائے گی مگر طبیعت سے واقف اور مزاج سے آشنا تھی۔ کچھ جواب نہ دیا اور بچی کو لٹا اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس خاموشی نے مودود کو شک میں ڈال۔ ہاتھ لگا کر دیکھا

تو جان میں جان آگئی۔ اُچھلا کودا، ٹھٹھے اڑائے، قہقہے لگائے، ماں کے دل پر یہ کچھ گذر رہی تھی مگر مرے اس کی ماں جو زبان سے اُف کی ہو یا ہان دیا حقہ لا دیا۔ باتیں کہیں اِدھر کی کہیں اُدھر کی کہیں، اور اپنی دانست میں پوری کوشش کرلی کہ میرے رنج کا اثر میاں پر ظاہر نہ ہو مگر اظہار حقیقت کے واسطے صرف زبان ہی ایک آلہ نہیں، پڑھنے والا آدمی کی صورت سے، حالت سے، حرکات سے سکنات سے، اندرونی کیفیت کا ایک ایک حرف پڑھ سکتا تھا۔ مودود متعلق تھا اور متعلق بھی بھرپور، وہ رتی رتی اور تِل تِل پڑھ گیا اور سمجھ لیا کہ مامتا نے جان پر بنا رکھی ہے۔ ہنستا ہوا چلا گیا۔ رات اسی طرح گذری، دوسرا دن دوسری رات غرض تین دن اور تین رات یونہی بسر ہو گئے۔ چوتھے دن صبح کو بچی ہاں رکھا گیا تھا ایک جھلنگا تھا جو پڑا تھا۔ آج محسنہ نے جی کڑا کیا میاں کا گھر میں گھسنا تھا کہ اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اس آن بان کی عورت کہ ساس اور سسرے دونوں مرگئے اور یہ تعریف کرتے مرے کہ بیٹی ہو تو محسنہ جیسی اللہ رکھے تین بچوں کی ماں۔ بارہ سال کی بیاہی، مگر آجتک ہمارے سامنے میاں سے ہنس کر بات نہ کی، اسوقت آپے سے باہر تھی اور کسی چیز کا ہوش نہ تھا بڑا لڑکا خاصہ گیارہ برس کا اور سامنے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا مگر اس کا لحاظ، نہ ماؤں کی شرم روتی ہوئی میاں کے پاس پہنچی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔

"للہ ڈاکٹر کو بلوا دو۔ موؤدہ میری گود خالی کرتی ہے، خاطر جمع رکھو بچنے والی نہیں اب اس کا آخری وقت ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ کل تک کی اور مہمان ہے اسکا سانجھا اسوقت تک کا تمہاری کمائی میں تھا۔ ایسا نہ ہو خدا کے ہاں میں پکڑی جاؤں۔ کیا کروں میری جان پر بن رہی ہے، پرسوں سے دودھ نہیں پیا بے سُرت پڑی ہے کیسی دیکھ دیکھ کر ہنستی اور ہمک ہمک کر کھیلتی تھی۔ اُس روز تم آگئے میں نے ڈر کے مارے اٹھا دیا۔ یہانتک گردن موڑ کر مجھ کو دیکھتی رہی۔ خدا کا واسطہ ڈاکٹر کو بلا دو۔"

مودود بیوی کی حالت پر، بچی کی علالت پر، خدا کی قدرت پر دل میں ہنستا اور زبان سے یہ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔

"جب تمہاری رائے میں موت یقینی اور صحت ناممکن ہے تو پھر ڈاکٹر کیا کریگا اور حکیم کیا؟"

مگر باہر آکر سوچا کہ اس سے بہتر موقعہ اس سے مناسب وقت اب کونسا آئیگا اسوقت چوکا تو عمر بھر روؤں گا۔ بیماری کی شہرت دوں ڈاکٹر کو دکھاؤں حکیم کو بلاؤں اور اسی سلسلہ میں کام تمام کر دوں۔ فوراً ڈاکٹر کو بلالایا اور اندر لے کر پہنچا ڈاکٹر نے دیکھا تو دونوں پچلیاں صاف سوڑے میں جھلک رہی ہیں، باپ سے پوچھا نہ ماں سے اور صلاح لی نہ مشورہ، نشتر نکال دونوں سوڑے کھول دیئے، لوتھ اور غوط جو کچھ بھی تھا وہ پچلیوں کا، سوڑے کھلتے ہی بچی نے آنکھ کھولدی، اب جو محسنہ نے گود میں لے کر دودھ دیا تو لگی چسر چسر پینے۔ بخار دیکھتی ہے تو آدھا بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب باہر گئے مودود اس غرض سے پوچھتا ہے کہ شائد اب خطرناک مرض کی آواز کان میں آئے اور ڈاکٹر صاحب کہدیں "کوئی دم کی مہمان ہے" مگر جو آواز آتی ہے وہ الٹی اور جو جواب ملتا ہے وہ اوندھا، ڈاکٹر صاحب تھوڑی بیٹھ اور یہ کہہ سیدھے ہولئے "اب انشاء اللہ دوبارہ دیکھنے کی ضرورت نہ ہوگی" مایوس ہو کر اندر آیا تو ماں ہنس رہی ہے اور بیٹی مسکرا رہی مودود اتنا سنگدل کہ اسوقت بھی ضبط نہ سکا اور کہدیا۔

"واہ تم تو مایوس تھیں اور یہ کلکاریاں مار رہی ہے، اور محسنہ اتنی بیوقوف کہ اس موقعہ پر بھی صبر نہ ہو سکا اور کہنے لگی "میرے اللہ نے میری طرف دیکھ لیا، نہیں تو بچی تمہارے ہاتھ ہی سے چلی تھی" لگی بن تو محسنہ اتنا کہہ گئی مگر پھر ساتھ ہی خیال آیا کہ کیا غضب کر رہی ہوں، یہ میری محبت اور محبت کا اظہار عداوت کو اور ترقی

دے گا۔ جھک کر بچی کو لٹا اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا بڑوں کو موت کہاں موت تو
اچھوں ہی کو آتی ہے۔ میں تو ہنس رہی ہوں اتنا کیا نہیں سمجھتی کہ خدا دشمن کو بھی بیٹی
نہ دے۔ مگر تقدیر کی بات ہے کہ لوٹ پیٹ کر اچھی ہوگئی۔ میں تو سمجھی تھی پاپ کٹا۔
لیکن دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے کہ دانت بند ہو گئے، آنکھیں پھر گئیں، دماغ ٹھنڈا
ہو گیا، ہاتھ پاؤں مڑ گئے، مگر پھر سنبھل گئی شاید سنبھالا ہی ہو۔"

مودود۔ تمہاری باتیں بھی عجیب الٹی ہیں، بچہ نہیں ہوں جو تمہاری ان مکاریوں
میں آجاؤں، بیمار تھی تو تڑپ رہی تھیں، اب جو اطمینان ہوا تو باتیں بنا رہی ہو۔ جو
مجھ کو دشمن وہ تمہارا دوست، جو مجھ کو آگ وہ تم کو ٹھنڈک، بس تم اس بچی کو لو اور
خوش رہو۔ اب میرا تمہارا واسطہ کیا اور محبت کیسی۔ دشمن کا دوست بھی دشمن سے کم نہیں

(۴)

اس واقعہ کے بعد سے اور اتنی گفتگو کر کے مودود نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ آٹھ ہی
دن میں سارا گھر پریشان ہوگیا۔ گھر میں جانا اس نے چھوڑا، اندر سونا اس کا گیا، بیوی
سے بات چیت اس نے بند کی، خرچ کی پوچھ گچھ اس نے ختم کی۔
ایسی ہی کچھ اشد ضرورت ہوئی تو باجی گھبرایا اور ہڑک اٹھی تو گیا، ایک آدھ بات
جھوٹی سچی کی، اور چلا آیا۔ انتہائے نفرت یہ تھی کہ خرچ کی طرف سے بھی جس کا انحصار
صرف اس کی ذات پر تھا ایسا غافل ہوا کہ دینا تو درکنار پوچھتا تک بھی تو نہیں کہ کیا
آٹھا اور کیا چاہئے۔ محسنہ یوں میاں کی خوشامد میں، اس کی آؤ بھگت میں، اس کی
خاطر مدارات میں کسر نہ کرتی۔ مگر ترپاہٹ تھی کہ اس نے بھی اس سلسلہ میں قطعاً گفتگو
نہ کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب اس نے دینے کی اور اس نے مانگنے کی قسم کھالی
تو ہر چیز اور ہر کام پر اس کا اثر پڑنے لگا۔ گوشت کے بدلے دال اور پلاؤ کی جگہ خشکہ پکا۔
مودود ان سب باتوں کو دیکھ بھی رہا تھا اور سمجھ بھی، مگر نہ معلوم کیا مصلحت تھی کہ

اس نے اس طرف مطلق توجہ نہ کی۔ محسنہ کا گھر بنئے کی دُکان تو تھی نہیں کہ جنس نکلی چلی آتی۔ اس کا سلیقہ صرف اتنا تھا کہ مہینہ بھر کا سودا سوا مہینہ چلائے۔ آخر وہ دن بھی آگیا کہ دونوں لڑکے بھوکے مدرسہ چلے اور باپ کو بھی خبر ہوئی۔ اب البتہ موذودہ کی آنکھیں کھُلیں اور اس نے بیوی سے آکر کہا "یہ کیا غضب کہ لڑکے بھوکے چلے گئے اور تم نے مجھ سے خرچ نہ مانگا۔"

محسنہ :- "میں نے آجتک کبھی مانگا ہوتا تو اب بھی مانگ لیتی۔"

موذودہ :- "اب تک کی بات اور تھی اور اب اور ہے۔ تم اگر یہ چاہو کہ اس خرچ میں کتر بیونت کرکے اس ناہنجار لڑکی کا پوت پورا کردوں اور اس کے لئے بچا کر رکھوں تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مجھے دینے میں عذر نہیں، دُونگا اور ضرور دونگا مگر یہ یاد رکھنا کہ میری بلا اجازت میری آمدنی میں سے ایک پیسہ بھی اگر تم نے اس پر خرچ کیا تو خدا کے یہاں مواخذہ ہوگا۔ تم کو حق نہیں کہ تم مجھ سے بلا دریافت کئے اس کو کچھ بھی کھلاؤ پلاؤ اُڑھاؤ پہناؤ۔"

محسنہ :- "مجھ کو کبھی بھی تمہارے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں ہوا۔ نہ اب ہے اور نہ آیندہ ہوگا۔ جس حال میں رکھو گے جس طرح پالو گے تمہاری اولاد ہے۔ مجھ کو ضرورت کیا کہ خدا کے ہاں کا بوجھ اپنے سر پر رکھوں۔ میں ہر وقت ہر بات میں اور ہر کام میں تم سے کیا کیا پوچھوں گی، کس کس کی اجازت لونگی، روٹی ہے ٹکڑا ہے پان ہے پتہ ہے تم کیا ہر وقت یہاں بیٹھے ہو جو پوچھوں اور دوں۔ ایک بات طے کردو اور خاطر جمع رکھو اس سے زیادہ اس کے خلاف کچھ نہ ہوگا ہرگز نہ ہوگا۔"

موذودہ :- "ہاں کھانا صرف اتنا کہ پیٹ بھر سکے، مزے کے واسطے نہ ہو۔ کپڑا صرف اسقدر کہ تن ڈھک سکے نمائش سے غرض نہ ہو۔ یہ تکلف کہ تکیہ بھی ہو نہالچہ بھی مجھ کو پسند نہیں، بلکہ اس کمشولی کو بھی دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اُترتا

ہے دھوتر کا کرتہ اور گاڑھے کا پاجامہ پہنا کر زمین میں پیچ دو کہ کسی طرح گھرانہ مصیبت سے محفوظ اور خاندان اس آفت سے پناہ میں رہے۔

تم میرے جسم کو دیکھو میری حالت پر نظر ڈالو میں چارپائی سے لگ گیا۔ آدھا بھی نہ رہا، ہڈیاں نکل آئیں۔ اس صدمہ میں اور اس فکر میں۔ کیا اسی دن کو اور اسی گھڑی کو کہ میں بیمار ہوں اور یہ تندرست، میں مروں اور یہ جئے۔ یہ تمہارے بھائی کے دو سو روپیہ موجود ہیں۔ لو، بیشک لو، شوق سے لو میں ابھی زندہ ہوں میری زندگی تک میرے لڑکے بھوکے نہ مرینگے۔ روٹی ان کو ان کے کتوں کو، وہ چار کو کھلا کر اور دس کو پہنا کر کھائیں گے اور پہنیں گے۔ میں ان پر سے اشرفیاں لٹانے کو موجود ہوں مگر یاد رکھو یہ مصیبت کی چوٹ اور تکلیف کی پوٹ اپنے ساتھ تمہاری عزت بھی پلید کرے گی اور تم کو وہ دن دکھاوے گی کہ اس کی طرح تمہارے بھی پیٹ کا ٹکڑا ہوگا نہ تن کو چیتھڑا۔ اب تمہاری عزت کا دارومدار تمہاری شرافت کا انحصار صرف اس پر ہے کہ میرے حکم کی تعمیل میں میرے خیال کی موافقت میں فرق نہ آ ورنہ کہتا ہوں پھر کہتا ہوں اور بآواز بلند، تمہارے بچوں کے سامنے ان ماؤں کی موجودگی میں، کہ اگر اس کی پرورش اس کی تربیت میری تجویز کے خلاف میرے انتظام سے باہر ہوئی اور تم نے اپنی مامتا کو جو میں نہایت خوشی سے چولہے میں ڈالنے اور بھاڑ میں جھونکنے کو تیار ہوں محفوظ رکھا، اور اس گھر میں، اس چار دیواری میں اس گھر کے کسی کونہ اور اس چار دیواری کے کسی چپہ میں سوا اس کے جو میں کہہ رہا ہوں اس کے ساتھ کوئی رعایت کی تو یہ گھر تمہارے واسطے جیلخانہ اور یہ زندگی تمہارے لئے دوزخ ہوگی اور میں جو اسوقت تم کو سب سے زیادہ عزیز سمجھ رہا ہوں جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہونگا۔"

موؤدہ کے احکام نازل بھی ہوئے اور ختم بھی، تجویز کی بھی گئی اور سنی بھی۔ مگر جیسے

جواب تک نہایت خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے میاں کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی اب بالکل خاموش ہو گئی۔ میاں چلا گیا تو اس نے سوچا کہ اب کیا کرتی موؤدہ بیگناہ ہستی اس نے دنیا میں اب تک کوئی ایسا فعل نہیں کیا کہ ایسی سخت سزا کی مستوجب ہو۔ میرے پیٹ کی آگ ہے، مجھ سے یہ نہ ہو گا کہ میں کھاؤں پیئوں، اوڑھوں پہنوں، یہ میرا منہ تکے۔ دودھ کی عمر اب ختم ہوتی ہے اور اب بھی آخر دونوں وقت کھچڑی دے رہی ہوں اس حساب سے تو اب مجھے یہ حق بھی نہ رہا کہ اس کو کچھ دے سکوں، یہ بھوک کی بلکے، روئے پیٹے، مگر میں اُف نہ کروں کیونکر ممکن ہے؟ موؤدہ کی یہ توقع غلط بیشک غلط ظالم سے ظالم اور ڈائن سے ڈائن ماں بھی ایسا نہیں کر سکتی۔ رونا شروع کر دیا بھوک کا وقت ہے دودھ کمبخت ہے نہیں۔ اب کیا خاک دوں اور گھر کی خبر چھپنے والی نہیں، لڑکے دشمن نہ ہوں مگر بچے تو ہیں، مامائیں اپنی ہوں مگر عزیز تو نہیں، لیکن میرا تو قصور نہیں خدا کی یہی مرضی تھی جو آئی وہ اُٹھاؤں، جو پڑی وہ جھیلوں۔

یہ فیصلہ کر کے حسنہ نے بچی کی طرف سے منہ موڑ لیا اور اِدھر اُدھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ بچی اِدھر تو رہی بھوکی، اُدھر چھٹا ماں کا پھوا، ہر چند ماماؤں نے لیا، اُٹھایا، چمکارا، رکھا، مگر سال بھر کی جان لاکھ دودھ پیتی اور ہزار معصوم تھی ماں کی گود اور اس کی صورت اچھی طرح جانتی اور پہچانتی تھی۔ بڑوں کا مقولہ ہے "چالیس دن کا بچہ ماں کو پہچان لیتا ہے"۔ ماماؤں نے ہر چند کوشش کی، مگر بھوک علاج کیا تھا۔ بچی کی زبان تالو سے نہ لگی۔ دوپہر کے وقت موؤدہ حسب عادت کھانا کھانے آیا تو رونے کی آواز کان میں آئی۔ دو چار لحہ تو نہ بولا مگر جب دیکھا کہ آواز اسی طرح بند اور رونا کسی عنوان ختم نہیں ہوتا تو بیوی سے کہا۔

"اب کیا اتنا بھی گھر میں بندوبست ہو گا یہ انتظام کر دو کہ اس کی آواز میرے کان میں نہ آئے۔

محسنہ: "دونوں باتوں کا انتظام مشکل ہے۔ اگر تمہارے پہلے حکم کی تعمیل ہوگی تو یہ مشکل! اور اگر رونے کا علاج کروں تو حکم کی تعمیل ناممکن! یہ چند روزہ تکلیف ہے اور اس تکلیف سے مقصد اصلی حاصل ہو جائے گا۔"

موؤدہ: "وہ کیا؟ کیونکر؟ کس طرح؟"

محسنہ: "بھوکی ہے، دودھ کا پتہ نہیں، کھچڑی پر لگی ہوئی ہے، تم نے منع کر دیا میں نے تعمیل کر دی، خاموش تو ہو نہیں سکتی، کلیجہ کو لگ ہی ہے یوں ہی روتے روتے مر جائے گی۔"

موؤدہ: "اگر تم کو اس نتیجہ کا یقین ہے تو اچھی بات ہے، خدا کرے ایسا ہی ہو۔ میں آج دن بھر گھر میں نہ آؤں گا۔"

محسنہ: "مگر کھانا تو کھا لو۔"

موؤدہ: "نہیں بس آج کا فاقہ ہی اس کمبخت کے سر رہا۔"

غصہ تھا، بات کی پیچ تھی، جو کچھ تھا محسنہ اس الزام سے پاک نہیں ہو سکتی کہ اس نے کامل نو گھنٹے ایک معصوم ہستی کو جو اس کے کلیجہ کا ٹکڑا تھی دودھ سے پھڑکا جب شام کے چار بج چکے اور بچی روتے روتے نیلی پڑ گئی تو البتہ ماممتا نے جوش اٹھی اور قریب آئی، بچی کی صورت دیکھتے ہی آنکھ سے آنسو نکل پڑے، ہمک کر گود میں آئی، دودھ منہ میں لیا، اتنے عرصہ کی چھوٹی ہوئی صورت دیکھتے ہی مسکرا دی، بچی کی یہ مسکراہٹ ایک پہاڑ تھا جو ماں کے دل پر گرا، دودھ پلاتی اور غور کرتی، دودھ کا گود میں آتے ہی اور دودھ لیتے ہی سو گئی الگ سے لٹا، منہ پھیرا آنسو پونچھ اٹھی تھی کہ سامنے سے بڑا لڑکا دوڑا آیا۔ واقعات سے واقف اور معاملات باخبر، ماں کو روتا دیکھ متاثر ہوا اور پوچھا "روتی کیوں ہو؟"

ماں: "کچھ نہیں اس بچی کمبخت کو رو رہی ہوں کہ دنیا بھر کو موت ہے اور اس کو نہیں۔"

ودودو" تمہارے کہنے سے یا ابا جان کی خواہش سے کیا ہو سکتا ہے اگر واقعی موت آئی ہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر نہیں تو یہ کوشش بیکار ہے مجھے معلوم ہے ابا جان نے جو حکم دیا ہے مگر تم تعمیل نہ کرو۔ میں ابھی کھچڑی پکوا دیتا ہوں"

اتنا کہہ کر ودودے نے ماسے کھچڑی پکوائی اور ماں کو لاکر دیدی اور کہا "جس وقت اُٹھے کھلا دینا یہ بھی کوئی بات ہے کہ بچی بھوکی مر رہی ہے اور رزق نصیب نہیں ہو سکتا"

بچے کے اس کہنے سے محسنہ کو کچھ تقویت سی تو ہوئی مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ زبردست کے بوسے بیٹی، یہ خود ابھی بچہ ردکے روٹی مانگنے والا ہے۔ کسی قابل نہیں اگر اس نے مخالفت کی اور باپ نے ناخوش ہو کر اس کو نقصان پہنچا دیا تو بھی میرے ہی کلیجہ کو لگے گی۔

ان ہی خیالات میں مستغرق تھی وقت کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ بچی اتنی دیر کی تھکی ماری پڑ کر جو ڈھیر ہوئی تو رات کے نو بج گئے اور اس نے کروٹ نہ لی۔ اِدھر تو یہ گذری اُدھر میاں مودود اسی اُمید پر خوش اور توقع پر شاداں تھے کہ حکم کی تعمیل ہوئی اور ہو رہی ہے۔ سال بھر کی لڑکی بساط ہی کیا کہ میرا مقابلہ کر سکے۔ چار پانچ روز میں گاڑ دوں گا۔ آٹھ بجے کے قریب اندر آیا تو سناٹا تھا۔ بچی تو بچی بچے بھی خاموش اور بچوں کی ماں بھی گم سم۔ اطمینان سے بیٹھا شوق سے کھانا مانگا اور مزے سے کھایا۔

کھا چکا تو بیوی سے کہا "کہو اس کمبخت کی کیا کیفیت ہے جیتی ہے یا مرگئی"

بیوی "اس کے کیا اپنے ہاتھ میں اور میرے کیا اپنے بس میں ہے یہ تو خدا کا حکم ہے آئی ہوگی آجائے گی"

میاں "جو میں دریافت کرتا ہوں اس کا جواب دو۔ زندہ ہے؟"

بیوی "ہاں ابھی تک تو زندہ ہی معلوم ہوتی ہے چار پانچ گھنٹے سے سو رہی ہے"

میاں "ممکن ہے مرگئی ہو۔ آخر تکلیف تو کافی پہنچی ہے۔ تم دیکھو تو کہیں ٹھس ہو گئی ہو

اور تم سمجھ رہی ہو، ایسے میں سویرا سے فارغ ہو جاؤ ورنہ رات بھر مردے کو لیے بیٹھی رہو گی۔"

بیوی: "نہیں ابھی تو زندہ ہی ہے۔"

میاں: "خیر زندہ ہے تو مجبوری ہے"

(۵)

تین یا چار مہینے اس طرح سے گزرے کہ ممتا نے مجبور ہو کر تو خیر، ورنہ محمنہ اسے خود چاہتی تھی کہ کسی طرح مودودہ کا پردہ ڈھک جائے۔ اس کی تکلیف سے متاثر اور اس کی ایذا سے بے چین ہونا فطرتی تھا۔ مگر بعض اوقات ایسی سخت لاپرواہی کرتی کہ اگر مودودہ سخت جان نہ ہوتی تو بہتیکا بھی نہ کھاتی۔ اس کا یہ رنگ دیکھ کر گھر بھر نے توجہ کم کر دی اور حالت یہ ہو گئی کہ گھنٹوں اکیلی لیٹی مڑ مڑ کر ایک ایک کا منہ تکتی اور ہاتھوں سے اشارے کرتی۔ یہ خون کا جوش تھا کہ باپ کی صورت دیکھتے ہی ایسی کھلکھلاتی اور اسقدر ہنستی کہ سب متعجب ہو جاتے۔ مودود بھی کن انکھیوں سے سب کچھ دیکھتا مگر زبان پر نہ لاتا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ماں نہا رہی تھی، بچے مدرسے گئے ہوئے تھے، مامائیں اپنے کام میں تھیں، کہ مودود نے بوٹ مانگا۔ بچی اب خاصی ڈیڑھ برس کی تھی باپ کی یہ آواز سن کر لڑکی لڑکاتی اپنی جگہ سے چلی اور اسی دالان میں آئی جہاں باپ کھڑا تھا۔ بوٹ اُٹھایا اور ایک پاؤں لے کر پہنچی اسوقت مودود کوئی کاغذ دیکھ رہا تھا کہ کان میں اس اوں کی آواز آئی دیکھا تو مودودہ! اس زور سے چیخ ماری کہ اُچھل پڑی: "بھاگ مُردار یہاں سے" دونوں مامائیں دوڑی آئیں تو یہاں یہ سوانگ دیکھا۔ ایک بولی آپ نے بوٹ مانگا تھا؟"

مودود: "ہاں اتنی دیر سے مانگ رہا ہوں وہ نہانے چلی گئیں۔ تم لوگوں کے کان میں

ٹینٹیاں ہیں کہ آواز ہی نہیں جاتی۔"

ماما" اے ہے میاں یہ آپ کا بوٹ لے کر آئی ہیں سامنے بیٹھی دیکھتی رہتی ہیں کہ بوٹ یہ ہے۔"

اسوقت مودود نے بچی کی طرف دیکھا تو معصوم ہاتھ میں بوٹ لئے حسرت سے باپ کا چہرہ تک رہی تھی!! اُمید یہ تھی کہ مودود کا پتھر دل پسیج جائیگا مگر اس کے پتھر دل پر کچھ ایسی تاریکی اور آنکھوں پر کچھ ایسی گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ دیکھا اور ماما سے کہا "خبر- آئندہ یہ میرے سامنے نہ آنے پائے۔ اُٹھاؤ فوراً لیجاؤ"

بچی چلی گئی۔ تو ماں باہر آئی۔ سُنا کہ بچی نے یہ کیا اور باپ نے یہ۔ ٹھنڈا سانس بھر کر خاموش ہو گئی۔

جوں جوں بچی کی عمر ترقی کر رہی تھی باپ کی نفرت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی تھی اور اب اس کو یہ یقین ہو رہا تھا کہ ناشدنی موءُدہ جئے گی اور میری چھاتی پر مونگ دلے گی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک دوسری مصیبت یہ تھی کہ اس کی نفرت سے زیادہ موءُدہ کی رغبت باپ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہر چند ماں احتیاط کرتی تھی کہ یہ سامنے نہ جائے مگر اس فتنی کا یہ حال تھا کہ جہاں باپ نے گھر میں قدم رکھا اور اس نے "ابا ابا" کہہ کر چیخنا شروع کیا۔ مجبوراً حسنہ کو یہ انتظام کرنا پڑا کہ باپ کے داخل ہوتے ہی ایک ماما اس کو روتا دھوتا زبردستی گود میں لے سامنے سے ہٹ جاتی۔ مودود یہ سب کچھ دیکھتا تھا مگر زبان سے کچھ نہ کہتا تھا لیکن سمجھتا سب کچھ تھا۔

لڑکی تین سال سے اوپر ہو چکی تھی کہ برسات کے بعد ایک روز مودود کو بخار چڑھا۔ کنوار کا مہینہ تھا گھر کے گھر پڑے ہوئے تھے مودود کا گھر بھی شفا خانہ بنا ہوا تھا میاں بیوی بچے نوکر چاکر سب بخار میں لت تھے ہاں تندرست تھیں تو صرف دو جانیں۔ ایک بڑھیا ماما ایک بدنصیب موءُدہ مودود کے سر میں شدت کا درد تھا۔ بڑھیا سے

کہا سر دبا دے، بڑھیا دباتی رہی اور خاصی دو ڈھائی گھنٹے تک۔ اس کے بعد خود اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹنے لگے "اٹھی اور "ہائے ہائے" کرتی وہ بھی جا پڑی۔ اب گھر میں اگر کوئی تندرست تھا تو وہی تین برس کی جان موؤدہ۔ بڑھیا کا فعل دیکھ چکی تھی کوئی روکنے ٹوکنے والا تھا نہیں، چپکی اٹھ باپ کے پلنگ پر جا ننھے ننھے ہاتھوں سے سرہانے بیٹھ گئی اگر دبا کیا خاک رہی تھی، کبھی اس کے بال سنوارتی، کبھی ماتھے پر ہاتھ پھیرتی، مودود بےخبر پڑا تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ کون ہے اور کیا کر رہا ہے۔ سہ پہر کو ذرا بخار ہلکا ہوا، آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہے، کہ بچی سرہانے بیٹھی سر دبا رہی ہے!

دو زبردست جذبات کا مقابلہ تھا نفرت اور شفقت! دونوں طاقتیں موجود تھیں اور ایک رد کن علالت کی بھی تھی توقع تھی کہ شفقت فطرت ہے اور انسانیت ظاہر ہوتی ہے، ہم نے اس کے وجود کو تسلیم کر لیا کہ دو زبردست جذبات تھے، نفرت ظاہر اور شفقت پوشیدہ! اور گو واقعات اس توقع کا بطلان کر رہے تھے اور اب بھی کیا مگر یہ وہ جذبہ تھا جو انسانیت کا جزو تھا۔ بچی کی صورت دیکھتے ہی مزاج تو چڑچڑا ہو ہی رہا تھا، بدن میں آگ لگ گئی، ہم اس کو بھی شفقت پر محمول کرتے ہیں کہ غصہ کے نتیجہ کا خاص اظہار نہ ہوا، ممکن ہے مارتا پیٹتا، دھکا دیتا یا جو جی چاہتا کرتا مگر صرف اتنا کہا۔

"بھاگ یہاں سے خبردار جو اب کبھی آئی!"

اس سے انکار نہیں کہ اس حکم کا لہجہ تیز اور غصہ ظاہر تھا اور اگر یہ کہنا غلط ہے کہ بچی اپنی خدمت کو محسوس کرنے کے بعد شفقت کی متوقع تھی تو یہ کہنا صحیح کہ اس کا جذبۂ خدمت فطری تھا۔ اور دنیا نے پہلا سبق اس کو غلط دیا۔ الختصر بچی روتی بسورتی اندر چلی گئی اور مودود اٹھ کر باہر۔

(۶)

کہا جاتا ہے کہ لڑکی کی بیل اور ککڑی کی بیل دنوں میں اور راتوں میں کیا، گھنٹوں

ہیں اور گھڑیوں میں لمحوں میں اور پلوں میں کہیں سے کہیں پہنچتی ہے۔ موؤدہ کے
معاملہ میں تو یہ مثل اصل ہو گئی۔ دن آنکھ بند کرکے اور مہینے ہُوا کی طرح گذر گئے اور
دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی خاصی پانچ سال کی ہو گئی۔ یہ تعجب تھا کہ بیماری آئی، وبا آئی،
چیچک چمکی، ہیضہ پھوٹا، جوان بچے بڈھے لڑکے گھر کے گھر صاف ہو گئے، مگر بال بیکا
نہ ہُوا تو موؤدہ کا۔ سوا اس ایک موقعہ کے کہ پچھلیوں میں بخار ہُوا، پورے پانچ برس آئے
اور گئے مگر ہم نے تو کبھی سُنا نہیں کہ آج اس کی انگلی بھی دُکھی ہو۔ یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ
اب سنگدل باپ کو معصوم بیٹی کی زندگی کا یقین کامل تھا اور موت کا وہ خیال جو
غلبۂ افکار میں کبھی کبھی تسکین دیدیتا تھا رفتہ رفتہ زائل ہوتا گیا اور اب اس کو پورا
اطمینان ہو گیا کہ یہ آفت یقینی اور مصیبت اٹل۔ اسوقت اس کو صرف اپنی عقل پر افسوس
آتا تھا اور ہمیشہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی اس غلطی پر لعن طعن کرتا تھا کہ اس کا گلا گھونٹ
دیتا۔ ابتدائی ایام میں کوئی مشکل کام نہ تھا مگر اب جبکہ یہ چیونٹی ہاتھی اور یہ بچھڑا سانڈ
بن گیا تو ہر کوشش فضول اور ہر تجویز بیکار ہے اسوقت تک علاقہ بلا شرکت غیرے
سات پُشت سے قبضہ میں چلا آرہا تھا۔ اب یہ کیسی جُوتیوں میں دال بٹی۔ ہاں ایک
صورت ہے ہندوؤں میں شاید لڑکی کا حصہ نہیں لاؤ تبدیل مذہب کروں۔ نہ معلوم
عیسائیوں میں بھی ملتا ہے یا نہیں۔ مگر عیسائیوں کے ہاں ایسا ظلم ہرگز نہ ہوگا ان کا مذہب
نہایت معقول ہے۔ بہتر ہے کہ اسلام کو سلام کروں اور عیسائی ہو جاؤں مگر ایک خرابی
اور آکر پڑے گی۔ بیوی کمبخت سے ہرگز امید نہیں کہ وہ میرے ساتھ عیسائی ہوگی اور
نہ بچے ہی ایسے معقول ہیں کہ دور اندیشی سے کام لینگے۔ مگر حصہ اور ترکہ کی مصیبت
تو میرے بعد میں آئیگی اور اس طرح میں خود ہی مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔ جیتے جی
بچے چھُٹ جائیں گے اور پھر نہ معلوم یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ لاحول ولاقوۃ
الا باللہ العلی العظیم ایک کمبخت لڑکی پیدائش سے کس مصیبت میں پھنس گیا کہ

ہر وقت کا غم سر پر سوار ہے۔ زندگی کی بہار اور جینے کا لطف سب ختم ہوگیا۔ کوئی صورت ایسی نہیں کہ اس کو زہر دیدوں۔ بیوی کمبخت ایسی ناہنجار ہے کہ اگر یہ چاہتی تو ایک بچی کا کام تمام کر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر کمبخت اس لائق ہی نہ نکلی۔ بہرحال اب تو یہ مصیبت کسی طرح ہٹنے والی نہیں۔ اور اگر ابھی سے انتظام نہ کیا گیا تو جس طرح آج کفِ افسوس مل رہا ہوں عمر بھر ملوں گا۔

یہ آخری فیصلہ تھا جو مودود نے قطعی کیا اور اسوقت سے وہ لڑکی کی چال ڈھال کھانا پینا کپڑا لتہ بات چیت غرض ہر چیز پر ایک خاص نظر رکھنے لگا۔ بیوی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے غیر معمولی احتیاط شروع کر دی یہ وہ وقت تھا کہ گرمی کے قیامت خیز دنوں میں جب مودود اور محسنہ برف خانوں اور خسخانوں میں لڑکوں کو لیکر آرام کرتے، بدنصیب بچی گاڑھے گزی کے موٹے کھدر کے کپڑے پہنے لو کے جھکڑوں میں بیٹھتی اور وہیں پڑ کے ڈھیر ہو جاتی۔ یہ واقعہ ہے کہ محسنہ اس خیال سے لرزتی، اس ظلم سے کانپتی اور جتنی دیر تہ خانے میں بالیقین اس کو ٹھنڈے جھونکے لو کے تھپیڑوں سے کم نہ تھے۔ مگر مجبور تھی۔ وہ خوب سمجھتی تھی کہ غصہ روز بروز اور دشمنی لحہ بہ لحہ بڑھ رہی ہے اگر اُف کرتی ہوں تو نہ معلوم کیا مصیبت آئے اور کیا غضب ڈھائے۔ رات کو سارا گھر دو منزلے اور سہ منزلے پر اجلی برف چادروں پر، پھولوں کی خوشبودار سیجوں پر، سوتا مگر وہ بدنصیب گھر کی انگنائی کے ہی ایک کونہ میں وہی موٹے کپڑے پہنے تخت پر پڑ رہتی۔ دن کا کھانا تو ایسا تھا کہ خیر محسنہ کسی نہ کسی طرح تلافی کر دیتی مگر رات کا کھانا جو مودود کے آنے پر نکلتا اور وہیں ختم ہو جاتا موؤدہ کو حرام تھا اور یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ فصل کی ترکاری موسم کا میوہ بازار کی مٹھائی مودود لایا یا اس کے سامنے آئی تو اس میں محسنہ کا حصہ بھی لگا ہو۔

محسنہ تو خیر ماں تھی اس کے دل پر جو گذرتی ٹھیک مگر بھائی بھی اور خصوصاً بڑا

ان مظالم کو محسوس کر رہا تھا اور جب موقعہ ملتا اور کوئی چیز ہاتھ لگتی وہ بہن کو پہنچا دیتا۔ کئی مرتبہ قصد کیا کہ باپ سے اس معاملہ میں گفتگو اور اس انتظام پر بحث کرے مگر ماں نے اجازت نہ دی خاموش ہوگیا۔ موؤدہ لاکھ بچہ تھی لیکن تھوڑی بہت عقل آگئی تھی اور اگر زیادہ نہیں تو جو ہوتا وہ دیکھ سکتی، اور جو کہا جاتا وہ سمجھ سکتی تھی۔ وہ باپ کی نگاہ، ماں کی آنکھ، بھائیوں کی نظر، سب پہچانتی تھی اور خوب سمجھتی تھی کہ جس پیٹ کی اولاد بھائی ہیں اسی کی ہیں۔ مگر اس لئے کہ وہ لڑکے ہیں چمکتے لال! اور اسواسطے کہ میں لڑکی ہوں بھاری پتھر!

(۷)

تین چار سال اور آنکھ بند کرکے گذرے اور موؤدہ اب خاصی آٹھ نو برس کی تھی جس کے وجود سے باپ کی تکلیف روز بروز زیادہ اور اذیت دن بدن ترقی کر رہی تھی۔ اور انتہا یہ کیفیت تھی کہ دشمن اور دشمن بھی قاتل۔ باپ سے بہتر تھا کہ ظالم کی جب نگاہ پڑتی زہر میں بجھی۔ اول تو اب ماں نے ہی اس کا بدتر لونڈیوں سے بدتر بنا رکھا تھا۔ ٹاٹ اور کمبل تو نہیں، مگر ہاں گاڑھے گزی کے کپڑے ضرور تھے۔ اور اگر کبھی کبھار چوری چھپے ماں ممتا کے جوش میں کچھ کرنا بھی چاہتی تو وہ بھی کپڑے لتے میں نہیں بلکہ کھانے پینے میں، اس طرح کہ میاں کے سامنے تو وہی جوار مکئی کی روٹی اور دال چٹنی بیچاری کو مگر جب وہ چلا یا گیا تو بلا یا گھر کے کھانے میں سے کچھ دیدیا۔ مگر یہ انداز جب تک نادان تھی نبھ گیا، ہوشیار ہوئی تو اس نے قطعاً یہ سلسلہ موقوف کر دیا۔ ماں لاکھ خوشامد اور بھائی ہزار منتیں کرتے مگر وہ اس کھانے کے علاوہ جو باپ کے سامنے ملا اور دوسری چیز کو حرام سمجھتی۔ ماؤں نے سمجھایا، مغلانیوں نے بہلایا، لیکن اس نادان نے بات چھوڑی نہ آن توڑی۔

محسن الملک کے دل پر یہ صدمہ کچھ کم نہ تھا۔ نوالے اس کے حلق میں اٹکتے ہر چند

کوشش کی کہ موؤدہ باپ کے بعد کچھ کھا پی لیا کرے مگر کھانا تو درکنار اس نے سُنا بھی نہیں مصیبت پر مصیبت ماں کے واسطے یہ اور سخت تھی کہ اس درد کا علاج اور اس دُکھ کی دوا نظر نہ آتی تھی۔ بظاہر اور بہ ظاہر کیا درحقیقت اب موؤدہ کے واسطے میکا ایک جیل خانہ تھا، بلکہ قیدیوں کی حالت تو پھر بہتر ہوتی ہے کہ یہ روحانی اذیت جو ہر لمحہ اس کے دل پر گذر رہی تھی نہیں ہوتی، محنت مشقت مصیبت قیدیوں پر جو کچھ بھی ہو مگر موؤدہ کے واسطے یہ خیال عذاب دوزخ سے کچھ کم نہ تھا۔ زندہ باپ جیتی ماں، آباد میکہ، خوشحال گھر، ہوتے ساتھے وہ دُنیا کی ہر آسائش سے محروم تھی یہاں تک ہوا ہے کہ برسات کی ساری فصل صاف گذر گئی نوکروں اور ماماؤں کے بچوں تک نے آموں کے چھلکوں اور گٹھلیوں کے ڈھیر لگا دیئے مگر نہ ہاتھ میں آنا آم نصیب ہوا تو موؤدہ اور صرف موؤدہ کے۔ ہر کوشش سے نا امید اور ہر اُمید سے مایوس ہو کر اب محسنہ کے پاس صرف ایک صورت تھی اور وہ یہ کہ بیٹی کے ساتھ اس نے بھی کھانا پینا چھوڑ دیا۔ آموں کی بھری ہوئی جھلیاں، جامنوں کے لبالب ٹوکرے، آتے اور برباد ہوتے۔ دس دس بیس گھی کی کڑاہیاں چڑھتیں مگر اس کو سب قسم تھا۔ خدا کی شان دیکھو جس لڑکی کی زندگی ان مصائب سے پُر اور آفات سے لبریز تھی اس کی ابتدائی کیفیت یہ رہی کہ اُستانی سے محض اپنے شوق اور محنت سے کلام اللہ پڑھا۔ لکھنا سیکھا کتابیں پڑھیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ گو سارا گھر اس کی ہستی سے پریشان رہتا باپ کسی طرح ماں کسی طرح اور بھائی کسی طرح مگر اس کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ ہر وقت کسی نہ کسی کتاب میں منہمک ہے۔

ماں اچھی طرح سمجھ سکتی تھی کہ نکاح موؤدہ کی ان تکالیف کو ختم اور زنجیر مصائب سے آزاد کر دے گا اور اگر اس کا بس چلتا تو یہ مبالغہ نہیں کہ وہ شاید دو ہی برس کی بچی کا نکاح کر کے سبکدوش ہو جاتی لیکن مصیبت اور خرابی یہ تھی کہ وہ اس قسم کا

ذکر بھی تو میاں کے آگے نہ کر سکتی تھی جہیز کا انتظام کتنا ہی ضروری اور باقی چیزوں کا بندوبست کتنا ہی لازمی ہو مگر وہ اپنے دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ بیٹی کو ڈورے دے کر رخصت کر دوں۔ بلا سے موٹے کپڑے اور خالی ہاتھ وداع ہو جائے مگر کسی طرح باپ کی دہلیز سے نکلے۔

مودود کے دل میں بیٹی کے نکاح کا خیال روز محشر سے کم نہ تھا وہ اب بھی جبکہ بیٹی قریب قریب جوان ہو چکی تھی اور اس کی حالت دیکھ کر غیروں کا کلیجہ کٹتا تھا۔ اسی فکر میں تھا کہ اگر خدائی موت اس کے واسطے نہیں تو میں ہی اس کا کام تمام کر دوں۔ لیکن یہ گھڑی کہ میں داماد کی صورت دیکھوں، یا کوئی شخص میری زندگی میں میری بیٹی سمجھ کر مودودہ کو میری چوکھٹ سے لے جائے نہیں ہو سکتی۔ سب سے پہلے یہ میرا خود شکار ہو گی، اس کے بعد اس کی ماں اور پھر میں اپنے ہاتھ سے خودکشی کر کے آپ کاٹ دوں گا۔ وقت کی بات ہے کہ عید کے روز مودود کچوریاں مٹھائی ترکاری الغم بلغم ہزار قسم کی چیزیں لے کر نہال نہال گھر میں گیا لڑکے ساتھ تھے، بیوی کے آگے لا کر سامان رکھا، محسنہ حصے لگا رہی تھی اور باپ بیٹے بیٹھے کھا رہے تھے۔ مودودہ نے جب سے ہوش سنبھالا اور پرورش کا یہ رنگ اور باپ کا یہ ڈھنگ دیکھا اسوقت سے وہ خود اس کوشش میں مصروف تھی کہ اگر باپ اس کا منحوس چہرہ دیکھنا نہیں چاہتا تو وہ بھی نہ دکھائے۔ مہینوں اپنی صورت باپ کو نہ دکھاتی مگر چوری چھپے چک کے پردے سے ادھر سے اُدھر سے اس کی صورت آپ دیکھ لیتی۔ کچھ باپ ہی پر منحصر نہیں اپنی طرف سے وہ ماں اور بھائیوں کو بھی اپنی صورت سے یا گفتگو سے تکلیف نہ دیتی۔ اسکو درحقیقت گھر ایک جیل خانہ تھا، چوروں کی طرح خاموش اس کوٹھری میں جہاں سے

ویدی تھی پڑی رہتی لکھتی پڑھتی، رہتی سہتی، اور اس طرح الگ تھلگ کہ
کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوتی کہ اس میں آدمی ہے یا اناج۔ ماں اپنی ممتا سے
اور بھائی اپنی محبت سے جب آجاتے تو البتہ اُن سے بات کر لیتی ورنہ وہ
تھی اور اس کی کوٹھری یا اُستانی۔ مودود کھا رہا ہنس رہا بچے اُچھل رہے
اور کود رہے تھے، کہ مؤذن نے ظہر کی اذان دی کچھ دیر تک تو موؤدہ اس
خیال سے خاموش رہی کہ باپ چلا جائے تو باہر نکل کر وضو کروں مگر جب یہ
دیکھا کہ وہ کھانا کھا پی، ہاتھ دھو دُھلا، بچوں سے باتیں کرنے لگا اور نماز کا
وقت نکلنے لگا تو مجبور اُٹھی، اور دبے پاؤں باہر نکل لوٹا بھر واپس جا رہی
تھی کہ مودود کی نظر اس پر پڑ گئی اور یہ کئی مہینے کے بعد اتفاق ہوا تھا اور
اگر نماز ہی جیسی اشد ضرورت نہ ہوتی تو وہ مر جاتی اور باپ کو اپنی صورت
نہ دکھاتی۔ مودود دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اس نے اس سے پہلے بھی
جب دیکھا ایک اچٹتی ہوئی نظر پڑ گئی مگر آج جو غور سے دیکھا تو قابلی کاپی اور
ڈیل ڈیل کا فیل۔ قیاس چاہتا تھا کہ عید کے روز جب مودود کا گھر، بیوی بچے،
نوکر چاکر، در و دیوار عید کی خوشی میں مگن ہیں موؤدہ کی حالت زار باپ کے
دل پر نشتر کا کام کرے گی۔ مگر وہ کمبخت دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گیا اور
بیوی سے کہا "سب معاملے چھوڑ کر اور تمام واسطے توڑ کر ایک اتنا تعلق
باقی رہ گیا ہے کہ مجبوری اور معذوری گھر میں آجاتا ہوں وہ بھی تم کو منظور
نہیں کہ اسوقت بھی تم نے اس ناہنجار کی صورت مجھ کو دکھا کر خون پانی ایک
کر دیا عید کی تمام خوشی خاک میں مل گئی۔"

محسنہ کے کپڑے قیمتی تھے اچھے تھے، زیور اُجلا ڈورے نئے، میاں پاس، بچے سامنے، روپیہ موجود، نوکر آگے، بہ ظاہر رنجیدہ ہونے کی کوئی وجہ اور مغموم ہونے کا کوئی سبب نہ تھا۔ مگر مامتا والی ماہی اس کی حالت کا اندازہ اور اس کی کیفیت کی قدر کرسکتی ہے! لباس اس کو کاٹتا تھا! زیور اس کو ڈستا تھا، عید اس کو مصیبت اور خوشی اس کو آفت۔

جس وقت اس نے بچی کو آتے دیکھا اور اس حال میں کہ زیور اور کپڑا تو درکنار ہاتھ کی مہندی اور سر کا تیل بھی نصیب نہیں! گو یہ چیزیں ایسی تھیں کہ محسنہ بطور خود آسانی سے انتظام کرسکتی تھی، مگر ڈرتی تھی کہ اگر نظر پڑ گئی تو نہ معلوم کیا آفت آئے۔ اس وقت بچی کو اس طرح دیکھ کر اس کا دل اندر سے کٹ گیا موٗذہ خاموشی کے ساتھ آئی اور چلی گئی۔ اس نے آنکھ اُٹھا کر بھی باپ یا ما کی طرف نہ دیکھا، وضو کیا اور نماز میں مصروف ہوگئی۔ محسنہ نے آج قصد کیا تھا کہ ہمت کرے اور بلا سے جان بچے یا جائے، اور آن رہے یا ٹوٹے، میاں سے کہوں تو سہی کہ آخر ایک روز خدا کو بھی منہ دکھانا ہے۔ ابھی قصد مصمم ہی ہُوا تھا کہ میاں کی لتاڑ پڑنی شروع ہوگئی جل تو پہلے ہی رہی تھی میاں کی خفگی نے اور بھی بھلسا دیا کہنے لگی۔

"برس کا برس دن ہے، دُنیا اُجلے کپڑے، نئے زیور اور ڈھ پہن رہی ہے۔ اس بدنصیب کا، باپ کی کمائی میں، ایک پیسہ کا حصہ بھی نہیں کہ سر گوندھ لیتی۔ ماما ئیں اس سے اچھا پہن کر، نوکر اس سے اچھا اوڑھ کر عید منا رہے ہیں مگر اس کے بدن پر اس گرمی میں کہ ہاتھ سے پنکھا نہیں چھوٹتا وہی گاڑھے کا کرتہ اور گزی کا

پاجامہ ہے! فقیر سے فقیر اور ذلیل سے ذلیل بھی آج اپنی اپنی حیثیت کے موافق کھا پی رہے ہیں، لیکن اس بدنصیب کی تقدیر میں کچھ نہیں! یہ منحوس ہے، بدنصیب ہے، آفت ہے، مصیبت ہے، مگر جوان ہوگئی ہے اس کا پاپ کاٹ دو اور گھر سے رخصت کر دو، جو ہوگا وہ بُھگتے گی اور جو پڑے گی وہ اُٹھائے گی۔"

محسنہ کہہ رہی تھی اور آخری فقرہ ابھی ختم بھی نہ ہُوا تھا کہ مودود لال پیلا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔

"کیا کہا جوان ہوگئی تو کیا شادی کر دوں اور داماد کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں۔ غارت ہو جائے تجھ جیسی بیوی جو مجھ کو اس کام کی ترغیب دے اور چاہے کہ میں اس کی شادی کر دوں اس دہلیز پر آج تک آستین کے سانپ داماد کی صورت نظر نہ آئی اب تجھ جیسی بدبخت کے بہکانے سے میں اس کی شادی کردوں؟ جان سے نہ مار ڈالوں تجھ کو اور اس کو اس سے پہلے کہ اس نامراد اور مجھ ناشاد کی مُراد پُوری ہو! کیا ضرورت ہے اس ناہنجار کے اس گھر میں رہنے کی، میں اب اس کی اس گھر میں صورت دیکھنی نہیں چاہتا اگر تو زیادہ ٹرائی تو تجھ کو بھی نکال باہر کروں گا۔"

اس کا جواب یہ ہی ہو سکتا تھا کہ محسنہ خاموش ہو جاتی مگر مودُودہ کی حالت زار کا منظر ایسا نہ تھا کہ بدنصیب اں کا دل اتنی جلدی بھلا دیتا۔ اس نے دل میں سوچا کہ میری نیت درست اور میرا مطالبہ جائز ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہی ہوگا کہ جو زبان سے کہہ رہے ہیں وہ پُورا کرینگے۔ اگر یہ وقت آتا ہے، تو آج نہ آئیگا کل آئیگا، میں اس قربانی کے واسطے تیار ہوں۔ اتنا سوچتے ہی محسنہ اُٹھی اور کہنے لگی" اگر اس کی ضرورت گھر میں رہنے کی نہیں ہے تو میں نے تم کو اس کے

مار ڈالنے یا نکال دینے کو کبھی منع نہیں کیا، ان ہر وقت کے جھگڑوں سے کیا
حاصل؟ اس نے تمہارے گھر میں آنے کی خود خدا سے خواہش نہیں کی، اس کی
پیدائش خدا کا کام ہے، اس کا نہیں، اگر تم اس کو یا مجھ کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے
ہو تو جو سزا تجویز کرو ہم دونوں اس کے واسطے حاضر ہیں۔
رہی شادی، زندہ رہی تو کرنی ہی پڑے گی۔ دُنیا کا دستور ہے سب
کرتے آئے ہیں تم کیا انوکھے کرو گے۔"
اب موودود تھر تھر کانپ رہا تھا اس کو اُمید نہ تھی کہ بیوی اس طرح میرے
مُنہ در مُنہ موؤدہ کی حمایت کرے گی اور شادی کا تذکرہ اس آزادی سے کریگی
آگے بڑھا اور یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔
"ٹھہر دونو کو مزہ چکھاتا ہوں۔"

(۸)

رات کے دس بجے موودود غصہ میں تھر تھر کانپ رہا ہے، سامنے ایک
کرسی پر بڑا لڑکا ودُود خاموش بیٹھا ہے۔ موودود نے سوچتے سوچتے بیٹے سے کہا۔
"تم ابھی بچے ہو، دُور اندیشی نہیں آئی، یہ بہن نہیں تمہاری جان کی دشمن
ہے۔ کیا تم اسوقت کے واسطے زندہ رہ سکتے ہو جب ایک شخص تمہاری بہن
کا شوہر بن کر اس کا مالک ہوگا؟ یہ اور وہ اس تعلقہ اور جائداد میں اسلامی
حصہ کے دعوے دار نہ ہونگے؟ میں نے آج اسی وجہ سے کہ زندگی کا کوئی
اعتبار نہیں تمام علاقہ تم تینوں کے نام ہبہ کر دیا کہ کسی غیر کے قبضہ میں نہ جائے۔
مگر افسوس تمہاری بدنصیب ماں پر ہے جس کو خدا نے مطلق عقل نہیں دی اور
وہ اس ناہنجار لڑکی کی شادی کی ترغیب دیتی ہے۔ بھلا آجتک دادا پردادا
کسی نے بھی داماد کی صورت دیکھی جو میں دیکھوں، یہ علاقہ خدا تم تینوں کو

نصیب کرے۔ دُعا کرو کہ کسی کی آئی اس کمبخت مودود کو آجائے کہ میں اس ہر وقت کے عذاب سے رہائی پاؤں۔"

علاقہ کی تقسیم اور باپ کے ان خیالات کا اثر بچوں پر یہ پڑا کہ تینوں لڑکے جو اس سے پہلے بہن پر کبھی کبھی رحم کی نظر ڈال لیتے تھے اب وہ بھی فرنٹ ہو گئے منجھلا اور چھوٹا تو خیر بچہ ہی تھے، بڑا البتہ اکیسویں سال میں تھا اور علاقہ کا بڑا انتظام اس کے سپرد، روپیہ ہاتھ میں آتے ہی اس کی آنکھیں اور ہو گئیں، باپ نے ہر چند دبانا چاہا مگر ہاتھی کے دانت نکل چکے تھے اس کان سنتا اور اس کان اُڑا دیتا۔

گرمی کا موسم تھا اور جیٹھ کا مہینہ مودود نہانے جا رہا تھا کہ فالج گرا، ایک ہاتھ اور ایک پاؤں بالکل ہی بیکار ہو گیا، زبان اُلٹی تک نہ تھی۔ بہ مشکل تمام اُٹھا اٹھو زنانہ میں لائے، پلنگ پر لٹا دیا پردے چھوڑے، حکیم آیا، ڈاکٹر جمع ہوئے مگر افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تیسرا دن تھا اور شام کا وقت کہ ودود نہا دھو، کپڑے پہن پہنا، ہوا خوری کو جاتے وقت، کھڑے کھڑے باپ کو بھی دیکھنے آیا مودود بہت مشکل سے ایک آدھ بات کر سکتا تھا، اشارے سے بیٹے کو بٹھایا اور اشارے ہی سے کہا کہ تیل کی مالش کی ضرورت ہے۔ ودود بھلا باپ کی اس ضرورت کی کیا پروا کرتا، ہوا خوری کا وقت، سیر سپاٹے کے دن، جانے کو دیر ہو رہی تھی، ایک ایک لمحہ گھنٹہ تھا "بہت اچھا" کہکر اُٹھ کھڑا ہوا اور چل دیا۔

عید والے روز سے آجتک مودود کی کوشش یہی رہی کہ باپ اس کی صورت

نہ دیکھے۔ مگر جس دن سے بیمار ہوا اس روز سے ہر نماز کے بعد بلبلا بلبلا کر اس کی
تندرستی کی دعائیں مانگتی۔ اس نے باپ کی بہار تو کیا پیار بھی نہ دیکھا تھا، مگر
فطرتی جوش تھا کہ پردے کے پاس کھڑی دور سے بلائیں لیتی اور نثار ہوتی۔
باپ کی ضرورت اور بھائی کی لاپرواہی اس نے اپنی آنکھ سے دیکھی اور کان
سے سنی، تڑپ گئی مگر مجبور تھی کہ سامنے جانے کا حکم نہ تھا۔ محسنہ معذور تھی
کہ اس کا ایک ہاتھ بالکل ہی بیکار تھا شام سے رات ہوئی اور رات بھی آدھی
موؤدہ ڈرتے ڈرتے باپ کے کمرہ میں داخل ہوئی، روشنی دھیمی کی اور تیل
کی شیشی اٹھا آہستہ سے اس کی پائینتی پاس بیٹھی۔ اس خیال سے کہ صورت
دیکھ کر باپ کو اذیت نہ ہو اس کا دل دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا، اس نے اپنی
گردن گھٹنوں میں دے کر منہ چھپا لیا اور مالش شروع کی، یہ وہ وقت تھا کہ گھر
کے تمام آدمی نیند کی لپیٹ میں بیہوش تھے اور صرف ایک بدنصیب ہستی موؤدہ
اپنی جان کے دشمن حقیقی باپ کی خدمت میں مصروف تھی۔ گرمی سخت تھی اس کے
موٹے کھدر کے کپڑے پسینے میں شرابور تھے اور جس باپ کی لونڈیاں تک ململ
اور لٹھے سے گھبرا رہی تھیں وہ گاڑھے میں خاموش تھی۔ پٹھوں اور رگوں میں گرم تیل
کی حرارت پہنچی اور مودود کی آنکھ کھلی۔ پہلے سمجھا محسنہ ہے مگر گزی کے کرتہ نے اس
خیال کو بدل کر اس کی محبت کا پتہ دیا جس کی جان کا دشمن تھا۔ تیمارداری کی رات کا باقی
حصہ مریض کی طرح آنکھوں میں کٹا۔ یہاں تک کہ نماز فجر کی اذان کان میں آئی تو مودود
نے دیکھا کہ بچی نے گڑگڑا کر باپ کی صحت کے واسطے ہاتھ اٹھائے، آنسو جاری
تھے، اس کے قدموں پر آنکھیں ملیں اور الٹی ٹانگ کو جو بچی تھی۔ بوسہ دے کر کھڑی ہوئی۔

اس خیال سے کہ کہیں باپ کی آنکھ نہ کھل جائے اور میری صورت دیکھ لے،
ہوئے ہوئے آگے بڑھی اور باہر چلی گئی۔ متواتر سات راتیں اسی طرح گذریں کہ
محسنہ اور موؤدہ دونوں بیٹیوں نے پلک سے پلک نہ جھپکائی ماں آگ اور
روڑ دیتی اور موؤدہ مالش کرتی۔ اب موؤدہ کی حالت میں آسمان زمین کا فرق
تھا یہ تو نہ ہوا کہ ایکا ایکی اپنے پاؤں سے کھڑا ہو جائے مگر ہاں اتنا ہو گیا کہ خفیف
سی حرکت پیدا ہو گئی۔

(۹)

حالت میں فرق اور مرض میں تخفیف ہونے کے بعد مودود کے خیالات
نے پھر پلٹا کھایا۔ اب تک یہ تھا کہ موؤدہ تیل مل رہی ہے، آنکھ کھل گئی، دیکھ لیا
اور پہچان لیا مگر آنکھیں بند کر لیں اور وہ مالش کرتی رہی۔ لیکن اب پھر صورت
زہر معلوم ہونے لگی مودود انسان تھا اور انسان بھی وہ جس کی دانائی دور دور
مشہور تھی مگر عقل حیران ہے کہ شروع سے اپنا نک زبان سے تو نہیں مگر حالات
سے موؤدہ اچھی طرح ثابت کر رہی تھی کہ بدنصیب لڑکیاں کس طرح ماں
باپ کی غمگسار اور ان کی صورت پر نثار رہتی ہیں، لیکن نہ معلوم اس عقلمند کے
پہلو میں کس قسم کا دل تھا کہ ان واقعات پر بھی کسی دن رتی بھر نہ پسیجا اور اب
صرف افاقہ ہی ہونے پر حالانکہ ابھی تک نثار رسنی کا پورا یقین نہ تھا اس محسن
بچی کا کانٹا کھٹکنے لگا۔ اسوقت موؤدہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور ماں کے سوا
کسی کے دل میں یہ خیال کبھی پیدا ہی نہ ہوا کہ اس کا نکاح ہونا چاہئے مودود
کو کبھی حالت مرض میں بھی پہلے بھی اور پیچھے بھی خیال آگر آیا تو نکاح کا نہیں کسی
طرح اس کے اس طرح غارت کر دینے کا کہ پھر دوبارہ صورت نظر نہ آئے۔
حکیم کی ہدایت کے بموجب موؤدہ کو کبوتر کا شوربا مل رہا تھا۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ محسنہ بچوں کو کھانا دے رہی تھی اس نے دیکھا کہ موؤدہ روکھی روٹی کھا رہی ہے محسنہ اس کوشش میں پہلے بھی کئی دفعہ ناکام ہو چکی تھی جب سے موؤدہ کو ہوش آیا اور یہ علم ہوا کہ باپ مجھے اس حال میں رکھنا چاہتا ہے اس نے اس کی تجویز سے آگے ایک قدم نہ بڑھایا محسنہ اسوقت تھوڑا سا سالن لے کر لڑکی کے پاس آئی اور کہا "لے موؤدہ یہ کھالے۔"

موؤدہ نے ماں کی صورت دیکھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہنے لگی۔

"جو اللہ نے میری تقدیر میں لکھ دیا وہ کھا رہی ہوں! ابا جان نے جو مقرر کر دیا آپ نے جو کچھ دلوا دیا میرا حق وہی ہے، میں اس سالن کا مزہ کیا جانوں زبان آج تک جس ذائقہ سے آشنا نہیں ہوئی میں اس کی قدر کیا پہچانوں۔ مالک کی بلا اجازت یہ کھانا جائز نہیں۔"

موؤدہ کی گفتگو کیا خود موؤدہ ہی ماں کے واسطے ایک مصیبت کا پہاڑ تھی اس کی صورت دیکھتی اور کڑھتی، اس کی حالت دیکھتی اور روتی، اس کی مصیبت دیکھتی اور پھڑ پھڑاتی، اسوقت موؤدہ کی یہ گفتگو ایک نشتر تھا جس نے ماں کے زخم کو چھیڑ دیا۔ بیتاب ہو گئی مگر اس خیال سے کہ کہیں رونے کی آواز نہ نکل جائے کوٹھری میں جا پھوٹ پھوٹ کر روئی اور آنسو پونچھ باہر آئی، مگر اس واقعہ کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ صبح کے وقت جب تینوں لڑکے باپ کے پاس بیٹھے تھے اس نے شوہر سے کہا۔

"میں عرصہ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن تمہاری طبیعت درست نہ تھی اس لئے خاموش رہی اب خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنا فضل کیا۔"

"موؤدہ" فرمائیے۔"

محسنہ "خود ان سے تو دریافت کرو جن سے کہنا ہے۔"

مودودُو نے گردن کے اشارہ سے اجازت دی تو محسنہ نے کہا۔

"بدنصیب مودُودہ اسوقت اٹھارویں سال میں ہے مصیبت کی کوئی حد اور آفت کی کوئی انتہا ہو اگر آج کسی سے کہا جائے تو کون یقین کرے گا کہ جس ماں کے ہاتھوں سینکڑوں روپیہ ماہوار صرف ہوں اس کی بچی کو موٹے جھوٹے کپڑے اور سستی کُستی اناج کے سوا دُنیا کی ہر چیز حرام ہے۔ میں تم کو نہیں کہتی مگر مجھ کو ایک روز خدا کو بھی منہ دکھانا ہے کیا کہونگی اور کیا کروں گی، آخر کسی طرح یہ مصیبت ختم بھی ہوگی یا نہیں؟ میں یہ نہیں کہتی کہ شریف ہو معقول ہو امیر ہو بلا سے دو پیسہ کا مزدور ہو مگر اس کے دو بول پڑھا کر بدنصیب کو نکال باہر کرو۔"

مودودو نے بمشکل اتنا جواب دیا۔

"میں اسی روز کے واسطے زندہ رہا تھا کہ داماد کی صورت دیکھوں۔"

محسنہ "صورت دیکھنے کی کیا ضرورت ہے منع کردو کہ اس گھر پر نہ آئے۔"

ودُودو "نکاح تو خیر ایسی تکلیف دہ چیز نہیں، ہاں سب سے بڑا اندیشہ ترکہ کا ہے کہ یہ اسوقت تو منو بلائی بنی بیٹھی ہے بعد میں رنگ لائیگی کہ ترکہ کی وارث ہوں یہ بچہ تو ہے نہیں، ہبہ نامہ پر اس کے دستخط موجود ہیں، اگر ایک دستاویز پر یہ اور دستخط کردے کہ میں ترکہ کا دعویٰ نہ کروں گی تو ہم اس کا نکاح کر دینگے۔"

محسنہ "تم ایک چھوڑ چار پر کہو تو وہ دستخط کردے اس بیچاری کو کیا انکار ہے مگر کسی طرح اس بدنصیب کی مصیبت ختم کرو۔"

مودودو نے پہلے بیوی کی طرف اور پھر لڑکے کی طرف گھورا، مگر زبان سے کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ ودُود اُٹھ کر باہر گیا اور جلدی سے ایک کاغذ لا باپ سے کہا "آپکے

ارشاد کے موافق یہ تحریر میں نے تیار کروالی تھی مگر بیماری کی وجہ سے سُنا نہ سکا۔ آپ سن لیجئے" یہ کہہ کر ودّود نے باپ کو دستاویز سُنائی اور جب اس نے اتفاق کرلیا تو ماں کو دی کہ چلو میرے سامنے دستخط کروا دو۔

گرمی کی چل چلاتی دھوپ میں جب چیل انڈا چھوڑ رہی تھی موؤدہ موٹے کپڑے پہنے قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف تھی کہ ماں نے وہ دستاویز دے کر کہا۔

"لو اس پر دستخط کر دو"

موؤدہ اُٹھی، دستاویز کو پڑھا اور کہا "بہت اچھا"

یہ کہہ کر موؤدہ نے دستخط کئے اور بھائی سے کہا۔

"ابا جان کی سلامتی میں تعلقہ آپ کو مبارک! بھائی جان میں نے تو کبھی بھول کر بھی ایسا خیال نہیں کیا، آپ کیوں وہم کرتے ہیں، مجھے تو خدا عزت آبرو سے آپ کی دہلیز پر یہ دو جوڑے سالانہ اور ڈیڑھ پاسیر آٹا دیئے جائے یہی میرا علاقہ اور مال ہے اور اگر یہ بھی آپ کی یا ابا جان کی رائے میں زیادہ ہو تو میں اس کے بدلے کچھ خدمت کر دیا کروں"

ودّود اسوقت باغ باغ تھا، اس نے جلدی سے آکر باپ کو کل دستاویز دکھائی اور کہا۔

"ابا جان اماجان کی رائے کا منشا کچھ بھی ہو مگر مصلحت یہ ہی ہے کہ ہم اس کا نکاح کرکے دیکھیں تو سہی یہ کیا رنگ لاتی ہے۔ ہاں نکاح کسی ایسے شخص سے کرنا چاہئے جو اپنے قبضہ کا ہو"

کچھ بیوی کا اصرار تھا کچھ بیٹے کی ترغیب، مودود نیم راضی ہوگیا مگر اسی شرط پر کہ نکاح کسی ایسے شخص سے ہو جو بالکل ہی اپنا غلام رہے اور اس نکاح کا منشا

محض موؤدہ کی آزمائش ہو۔

دونو باپ بیٹے بہت دیر تک سوچتے رہے مختلف نام زبانوں پر آئے مگر کبھی مودود مخالفت کرتا تھا کبھی ودود، آخر ملا احمد ایک شخص ذہن میں آیا یہ بنگالی طالب علم تھا اور صورت سے مسکین معلوم ہوتا تھا۔ مسجد میں رہتا تھا اور مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ ودود کی رائے تھی کہ ایک مختصر مکان دے کر دونوں میاں بیوی کا پندرہ روپیہ مہینہ مقرر کر دینا چاہئے، مگر مودود نے اس کو پسند نہ کیا اور تجویز یہ ہوئی کہ بالفعل نکاح کر دو اگر یہ سیدھی طرح رہی تو ایک ہزار روپیہ نقد دیکر اس کو بھی بنگال بھیج دینگے۔

کجا مسجد کا ملانا، کجا تعلقہ دار کی لڑکی! جنم نہ دیکھا بوریا سپنے آئی کھاٹ! احمد یہ تجویز سنتے ہی سناٹے میں آگیا کہ نہ معلوم اس میں کیا بھید ہے۔ اور نکاح کیوں ہو رہا ہے۔

مودود اور ودود دونو کا وہم تھا کہ رواج رنگ دیکھ کر موؤدہ بدنصیب جو گرمی میں ٹھنڈے پانی اور جاڑے میں آگ کی انگیٹھی کو ترسی، دھوتر پہنی، اور چٹنی کھائی۔ باپ بھائی سے کیا دغا کرتی۔ تمام عمر میں ایک دفعہ دستخطوں والے روز بھائی سے اتنی بات بھی کرلی مگر آنکھیں نیچی سے اونچی نہ ہوئیں۔

مودودہ کی حالت میں افاقہ تو تھا مگر مرض کچھ ایسا پیچیدہ تھا کہ ابھی تندرست اور ابھی بیمار۔ ٹانگ اب تک کام کے قابل نہیں ہوئی۔ تمام جسم کے اعتبار سے تندرست تو نہیں کبھی بیمار اور کبھی خاصا۔ سب سے بڑی ضرورت اسی مالش کی تھی یہ خدا کا شکر ہے نوکر بھی تھے مامائیں بھی مگر گھر سنی آدمی، بیوی والا بچوں والا، عزیز اسوقت بھی کام نہ آئے تو کیا میدان حشر میں آئیں گے مگر بیوی معذور لڑکے کہنے کو ایک چھوڑ تین لیکن دو تو خیر چھوٹے ایک ہوشیار وہ

ہے کہ باپ کل کا مرتا آج مر جائے اور ٹانگ چھوڑ ہاتھ سے بھی اپاہج ہو جائے۔

اب سے دے کر رہی ایک موؤدہ رہ غریب ہر وقت اور ہر طرح سے حاضر تھی۔ نوکر کو عذر ماں کو عذر بیوی کو عذر بیٹے کو عذر مگر اس بدنصیب کو عذر نہیں۔ ہم تو جہاں مودود کو غیر معمولی عادت کا انسان اور لاثانی باپ سمجھتے ہیں، وہاں موؤدہ کو بھی مستثنیٰ عورت اور بے مثل بیٹی۔ چیونٹی تک دب کر کاٹ لیتی ہے مگر اس کی تیوری پر کبھی میل نہ آیا۔ مودود کی کیفیت اب یہ ہو گئی تھی کہ نبل کے وقت تو آنکھیں بند کئے چپ پڑا ہے اور اس کے بعد حکم نہیں کہ اس کی آواز کان میں آجائے۔

جس شخص کی طبیعت گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہو اس کی صحت اور علالت دونوں پائدار نہیں۔ اور جس مریض کی بیماری کا یہ رنگ ہو کہ مہینوں گذر جائیں مرے نہ اچھا ہو اس سے اوپر والے بھی اکتا نہ جائیں تو کیا کریں بالخصوص ان حالات میں جو مودود اور اس کے متعلقین کو پیش آرہے تھے۔ مسعود ڈاکٹر کے ہاں سے دو شیشیاں ملنے اور پینے کی لایا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ قصداً یا سہواً اگر سہو بھی تسلیم کر لیا جائے تو لاپروائی یقینی اور قطعی، موؤدہ سامنے کھڑی تھی اس کو دیں اس نے اسی طرح سے جا کر ماں کو دیدیں، واقعات سامنے ہیں اگر محسنہ جھوٹی ہے تو موؤدہ کو بھائی پر بہتان اُٹھانے کی ضرورت نہ ہمت مسعود تیرہ ۱۳ برس کا لڑکا دودھ پیتا بچہ نہیں خود اس کا بیان ہے کہ موؤدہ نے دوا کے وقت بھائی جان کو شیشی دی انہوں نے اپنے ہاتھ سے دوا گلاس میں ڈالی اور جوں کی توں موؤدہ نے لا کر ماں کو دی، ماں نے باپ کو، مودود کے حلق سے ایک قطرہ بھی نہ اُترا تھا کہ اس نے فوراً دوا کی کُلّی کی اور کہا "زہر دیا گیا"

مسعود دوڑا ہوا آیا اور کہا "بیشک زہر دیا گیا۔ یہ کارروائی موؤدہ نے جا کر کی

زہر ہلاہل زہر، دشمن دشمن، قاتل قاتل"

اتنا بڑا واقعہ اور اتنے بڑے آدمی کا واقعہ، آناً فاناً تمام شہر میں خبر مشہور ہو گئی مردانہ میں دوست آشنا، زنانہ میں عزیز اقارب باہر نوکر اندر مامائیں، غرض ہر طرف کامیابی کی دھوم تھی۔ زہر موؤدہ پر لپ گیا بڑے سے چھوٹے تک اور اندر سے باہر تک کوئی متنفس ایسا نہ تھا جس کو موؤدہ کے زہر دینے میں کلام ہوا بیویاں جو صحت پر مبارکباد کو آرہی تھیں پہلے مودود کو دیکھتیں اور پھر موؤدہ پر لعنت بھیجتیں جو اپنی کوٹھری میں خاموش بیٹھی تھی۔

ملامت کا ڈھیر جمع ہوتے ہوتے آسمان سے باتیں کرنے لگا عورتیں اس کے چاروں طرف جمع تھیں اور کہہ رہی تھیں۔

"ہے ہے ایسی ڈائن لڑکی جو باپ کو زہر دے۔"

موؤدہ کی نگاہ نیچی تھی، وہ خود خاموش تھی، مگر اس کا دل کہہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں، آسمان ٹوٹ پڑے اور میں مر جاؤں، شام کے وقت جب عورتیں چلی گئیں اور مودود نے آکر کہا "غارت ہو جاتی تو کمبخت اس سے پہلے کہ ابا جان کی موت کا خیال تیرے دل میں پیدا ہوتا۔ تجھ جیسی ہزار زندگیاں ان ایک پر قربان، سامنے سے ہٹ ناہنجار! غارت ہو اور اب اپنی صورت گھر بھر میں کسی کو نہ دکھا" تو اس نے حسرت سے ماں کی صورت دیکھی اور پھر وہی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی گویا اس کی بیگناہی کا شاہد ماں اور خدا کے سوا کوئی نہیں۔

ایک بدنصیب لڑکی جس نے خوشحال گھر میں جنم لیا اور آنکھ کھول کر یہ دیکھا کہ جو کھانا نوکروں اور جانوروں تک کو میسر آتا ہے وہ میری تقدیر کا نہیں، جو کپڑا لونڈیوں باندیوں تک کو عطا ہوتا ہے وہ میرے نصیب کا نہیں، باپ جس کے

لیجہ کا ٹکڑا ہوں جان کا دشمن اور بھائی جو بیٹا جائے ہیں صورت سے بیزار، اس
لزام پر لرز لرز کر رہ گئی اور کانپ کانپ کر ٹھہر آئی۔ وہ اب ہر طرف دیکھتی تھی
شاید کسی زبان سے کسی کونہ سے کسی سمت سے حق کی آواز کان میں آئے۔ آشنائی
امنہ تکتی تھی، ماں کی صورت دیکھتی تھی، بھائی پر نظر ڈالتی تھی مگر کوئی آواز اس کی
مابت میں، کوئی شہادت اس کی صداقت میں، کوئی ذی روح اس کی صفائی کا
درکوئی بھائی اس کی بے گناہی کا شاہد نہ تھا۔

ودود باپ کے خوش کرنے کو جوش میں آیا کہتا رہا۔ اسوقت موودہ گم سم نیچی
نگاہ کئے خاموش کھڑی تھی۔ جب ودود نے غصہ میں آگے بڑھ کر کہا۔

"سامنے سے ہٹ جا نہیں تو جان سے مار ڈالوں گا۔"

تو وہ ٹھنڈا سانس بھر کر پیچھے ہٹی۔ بدن میں ایک سنسنی آئی اور جی میں کہا "کیا دنیا
ما ہر لڑکی ایسی ہی بدنصیب ہے۔ کیا ہر بیٹی کی پرورش اسی طرح ہوتی ہے۔ کیا کوئی
یسا نہیں کہ مجھ کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلوائے۔ چکر آیا اور چکر کے ساتھ نیچے
رتے ہی بیہوش ہوگئی۔

کیسی توجہ اور کس کی تدبیر ودود نے باواز بلند کہا۔

"یہ اور مکر گانٹھا۔ خبردار جو کسی نے اٹھایا! فریبی کو پڑا رہنے دو مردار کو اتنا کچھ
ہا اور ابھی فریب سے باز نہیں آتی۔"

ماں باپ بھائی، نوکر مامائیں سب دیکھ رہے تھے کہ ایک مظلوم لڑکی صرف
اس لئے کہ وہ لڑکی کیوں ہے ایک مکان کے صحن میں بیہوش پڑی تھی مگر اتنا
کوئی نہ تھا کہ عطر نہیں تو اس کو مٹی ہی سنگھا دیتا۔

مودود یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا اس نے ودود کو پاس بلایا اور کہا۔

"احمد کو لاؤ"

زہر کی خبر وہ بھی سُن چکا تھا اور یہ بھی کہ میری ہی بیوی نے یہ گل کھلایا
ادم وشرمسار سامنے آیا تو مودُود نے آہستہ سے کہا "ڈولی لاؤ اور اس
بخت کو ابھی یہاں سے لے جاؤ۔ کرایہ میں دونگا فوراً اس کو لے کر اپنے وطن
روانہ ہو جاؤ۔"

(۱۰)

صبح کے سات بجے محسنہ ایک پلنگ پر خاموش لیٹی ہے اس کے برابر
آرام کرسی پر مودود پڑا ہے اس کے دو بچے بڑا اور منجھلا دونوں طرف بیٹھے ہیں
چند لمحہ خاموش رہنے کے بعد ماں نے ودُود کی طرف دیکھا اور کہا۔
"تم لوگ اگر اس مرض سے واقف ہوتے جس میں میں گرفتار ہوں اس مصیبت
کو سمجھ سکتے جس نے میری یہ حالت کردی اس ماں کو پہچان سکتے جس نے دُنیا
میری نگاہوں میں اندھیری کی تو آج مجھ سے معافی مہر کے خواہشمند نہ ہوتے۔ اگر
باپ خدا اور رسولؐ سے برگشتہ ہو کر اسلام سے پھر چکا تھا تو یہ تمہارا کام تھا
کہ جس باپ کے احسانات سے تمہاری گردن سبکدوش نہیں ہو سکتی اس کی غلطیوں
کی تلافی کر دیتے اور انصاف کے چھینٹوں سے اُس آگ کو ٹھنڈا کرتے جو اُس کے
مظالم نے عالم بالا میں بھڑکائی اور اس فانی علاقہ کے جو باپ کی طرح ایک روز
تم سے بھی علیحدہ ہونے والا ہے، اتنے گرویدہ نہ ہوتے کہ دُنیا تمہاری بیوقوفی
کا مضحکہ اُڑاتی، جس بدنصیب کو تمہاری آمدنی میں سے پانی کا ایک ٹھنڈا قطرہ
بھی میسر نہ ہُوا، جس کا جسم سِلگتے اور دل کو ترستا ہُوا ماں کی چوکھٹ سے رخصت
ہُوا آج وہ تم سے ہزاروں کوس دُور پڑی ہے! جس طرح وہ تمہارے راج میں
وداع ہوئی اس کی مثال شاید اس سے پہلے دُنیا نے نہ دیکھی ہوگی! جس کر مرن
جلی کا کھٹکا تم کو اتنا ہے کہ مجھ بدنصیب ماں کے مرض الموت میں معافی کے

کوشاں ہو وہ شاید تمہاری صورتوں کو ترستی دُنیا سے اُٹھ گئی۔ تم نے علاقہ کی
تقسیم اسی لئے کی۔ تم نے دُنیا کو دین پر بے ایمانی کو انصاف پر اور رواج کو
شرع پر اسی واسطے ترجیح دی اور اب یہ اندیشہ ہے کہ وہ بہرے مہر کا دعوے
نہ کرے! ذرا عقل پر زور دو اور ہوش سے کام لو، ایک بے کس اور بے بس
پردہ نشین مصیبت زدہ عورت تمہاری صاحب ثروت اور شریک حکومت
جماعت کے مقابلہ میں جو اپنی تجویز یعنی رواج کی عاشق اور خدا کے ارشاد کی
جانی دشمن ہے کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے! جس طرح ریگستان عرب کے
جلتے بھلتے تودے تمہارے خنجروں کا سامنا نہیں کر سکتے، اسی طرح اس
رسولؐ ہاشمی کا فرمان جس کو آج دُنیا سے اُٹھے چودہ سو برس کے قریب ہو گئے
تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا، مگر یہ سوچ لو تم تمہارا علاقہ تمہارے لڑکے تمہارا رواج
فنا ہونے والے لیکن جس کو مارتے ہو وہ زندہ رہنے والا، اور جس کو برباد کرتے
ہو وہ باقی رہنے والا ہے۔ موؤدہ ایک لڑکی کی حیثیت میں تمہارے گھر پر
نازل ہوئی تم نے جس کو زحمت سمجھا وہ رحمت تھی، اور جس کو عذاب سمجھا وہ ثواب
تھا۔ کیا انصاف اسی کا نام اور عقل کے یہ ہی معنی ہیں کہ ایک ماں کی دو اولادیں
ایک باپ کے دو بچے ان کے سامنے اور باپ کی موجودگی میں اس طرح
پرورش پائیں کہ ایک پھولوں کی سیجوں پر اور دوسرا ببول کے کانٹوں میں!
پیارے ودود بدنصیب موؤدہ غالباً دُنیا سے چل بسی، علاقہ تم کو اور
تمہارے باپ کو مبارک ہو، ناشاداں عنقریب تم سے جدا ہو کر اپنی بدنصیب
بچی کے پاس پہنچنے والی ہے، مگر تعجب تمہاری عقل پر، افسوس تمہارے قیاس
پر کہ ڈرتے ہو اس سے جو بے زبان تھی انتظام کرتے ہو اس کا جو جوان ہو کر معصوم
تھی، مگر نہیں ڈرتے اس سے جس کی زبان بڑی اور جس کا غصہ الامان الحفیظ!

کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ وہ بدنصیب جس نے کوارپنے میں جب باپ بھائی جیسی طاقت اس کے سر پر موجود تھی کسی ظلم پر اُف نہ کی تو اب جبکہ وقت نے اس کا بل بوتہ ختم کر دیا تم سے ترکہ طلب کرے گی؟ وہ دُود چلے کے جاڑوں میں چولہے کے آگے بیٹھ کر رات گذارنے والی بیگناہ بہن زہر کے الزام کی سزاوار نہ تھی۔ اس جرم میں کہ اس کی خاموش زبان باپ بھائی کے سامنے نہ اُلٹ سکی اس کو کالے کوسوں کی سزا ملی، لیکن آج تم اور تمہارے باپ دونوں خوش ہوں کہ باپ نے جس بیٹی کی موت کی ہمیشہ آرزو کی، بھائی نے جس بہن کی زندگی کو سدا وبال سمجھا، وہ غالباً دُنیا سے رخصت ہو چکی"

یہ کہہ کر محسنہ نے بیٹی کا خط سرہانے سے نکالا سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ اس کے حرف نظر آتے تھے کہ

"ہائے موؤدہ"

کہہ کر ایک چیخ ماری۔ بیٹھی بیٹھی اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

(۱۱)

"میں اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنے شہر کو چھوڑ کر پردیس میں شادی کرتا مجھ پر ایسی کیا مصیبت آئی تھی؟ تیرے باپ نے مجھ کو دھوکا دیا تیرے بھائی نے مجھ سے فریب کیا اور تیری ماں نے مجھے دغا دی۔ میں تجھ کو سودے کی بیٹی سمجھا، اور یہ جان کر کہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا جہیز تیرے ساتھ ہوگا نکاح پر رضامند ہوا۔ مجھے کیا علم تھا کہ تجھ سے زیادہ فقیر دُنیا میں کوئی نہیں۔ تیری وجہ سے میری تعلیم برباد۔ اور میری زندگی غارت ہوئی۔ مجھے تیرے پورے گُن تو نکاح کے بعد معلوم ہوئے ہیں۔ غضب خدا کا سگی بیٹی اور اوڑھنی کی کوڑیاں جہیز میں نہیں، لیکن تو تو ایسی نابکار عورت ہے کہ باپ اور بھائی کیا خدا اور

رشتوں تک کو دشمن بنائے۔ جس سنگ دل کو باپ کے زہر دینے میں تامل نہ ہوا وہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔ مجھے ہر وقت یہ ہی فکر سوار ہے کہ دیکھئے تو میرے ہاں کیا گل کھلاتی ہے۔ جو پکے تجھے پڑے ہوئے ہیں یہ قیامت تک چھوٹنے والے نہیں۔ یقیناً تو مجھے بھی زہر دے گی یہ دوسرا ستم ہے کہ بیجیا کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔"

موؤدہ:" جو فرمایئے اس کا جواب دوں۔ ان باتوں کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کا ارشاد درست۔ مجھے جو حکم دیجئے وہ تعمیل کروں۔"

احمد:" تو کمبخت اس قابل بھی نہیں ہے۔ تیرا معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور ایک میں کیا دنیا حیران ہے کہ بھید ہے کیا۔ میں نے اس روز وکیل سے پوچھ کر سب باتیں تجھ سے کہدیں تو ناشدنی دعوے پر بھی راضی نہ ہوئی کہ مجھ پر تیرے نکاح سے جو ستم ہوئے ہیں اس کے کچھ تو آنسو پچھتے۔"

موؤدہ:" میں تو اُن کی اور آپ کی دونوں کی فرمانبردار ہوں۔ مجھے اُن کے ارشاد کی تعمیل سے انکار نہ آپ کی۔ مجھے اقرار ہے کہ میری وجہ سے آپ کو سخت تکلیف ہوئی اور اس نکاح میں بیٹھا۔ آپ کو دھوکا ہوا۔ ابا جان نے جو ہزار روپیہ مجھ کو دیئے تھے وہ میں نے حاضر کر دیئے۔ آپ، اور نکاح کی بابت فرماتے ہیں شوق سے کر لیجئے۔ میں آپ کی اور آپ کی بیوی کی دونوں کی لونڈی بن کر رہونگی۔"

احمد: نکاح تو ہوا ہی منگیتر ہے، سگی چچا کی بیٹی اس سے ہو گا ہی۔ مگر ہم کو کسی لونڈی باندی کی ضرورت نہیں۔ غریب آدمی اپنا ہی پیٹ پالنا مشکل ہے۔ لونڈی غلام کس برتے پر رکھیں گے۔ جو اصل مدعا ہے اس کو اڑائے جا رہی ہو۔ کتنے روز سے پیٹ رہا ہوں کہ جب علاقہ موروثی ہے اور تو اُن کے پیٹ کی اولاد ہے تو

تیرا حق ضروری ہے۔ انہوں نے خوشی سے نہیں دیا تو ہم عدالت کے ذریعہ سے لیں گے وہ تو اب عمر بھر تیری صورت نہ دیکھیں گے تیرے بھائی و دُود مردود نے مجھ سے صاف کہدیا کہ" آیندہ اس گھر کا رُخ نہ کرنا"

موؤدہ "مَیں تو سب کی لونڈی ہوں۔ مگر اسوقت کے واسطے زندہ رہنا نہیں چاہتی کہ باپ پر دعویٰ کروں۔ خدا اُس سے پہلے میرا پردہ ڈھانک لے۔ اگر آپ کو میرا روٹی کپڑا گراں ہوا اور ہوگیا ہے اور ہونا چاہئیے تو مَیں خود سلائی سی کر اپنے قابل پیدا کرونگی۔ مُفت کی ایک ماما آپ کو اور آپ کی بیوی کو کیا بُری ہے۔ آپ نے مجھے اُس روز مارا مجھے شکایت نہیں۔ مَیں اس کی سزاوار تھی۔ ایک دن اور ایک رات روٹی نہ دی۔ مجھے بالکل گلہ نہیں اس کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ گاڑھے کے کُرتے بنوا دیئے یہ میرے سر آنکھوں پر ہمیشہ سے پہنتی آئی ہوں۔ اسی طرح زندگی بسر کرنے کو موجود ہوں جو کھلاؤ گے وہ کھاؤں گی جو پہنا دو گے وہ پہن لونگی مگر یہ وعدہ کرتی ہوں جس قدر آپکا صرف ہوگا اتنی مزدوری کر دوں گی آپ پر اپنا بوجھ نہ ڈالونگی"

احمد "مَیں دعوے کو کہتا ہوں اس کا جواب دے"

موؤدہ "مَیں نے ابھی عرض کیا کہ مجھے تعمیل میں عُذر نہیں۔ مگر موت اس کے بعد زندگی سے بہتر ہے"

احمد۔ "یہ بھی تیری عیاری ہے! اگر تجھے مکار اتنا لحاظ تھا تو باپ کو زہر کیوں دیتی"

موؤدہ "مَیں اب بھی ابّا جان کو نہیں جھٹلاتی اگر ان کی یہ رائے ہے تو صحیح ہوگی"

احمد "اللہ ری عیاری! تیری گفتگو کے ہر فقرہ سے شرارت اور چالاکی ٹپک رہی ہے۔ مَیں تو صاف صاف کہہ چکا جب تک تُو اس گھر پر بیٹھی ہے ہرگز ہرگز میرا

نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر تو دعوے پر رضامند ہو تو خیر ورنہ مجھے طلاق دینی پڑیگی
تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو۔"

موؤدہ ... ...

احمد:۔ "بولتی کیوں نہیں مجھے شام تک یہ جھگڑا طے کرنا ہے۔"

موؤدہ ... ...

احمد:۔ "بول کمبخت خاموشی سے کام نہیں چل سکتا۔ زبان سے پھوٹ۔ میں نے
چچا صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ شام تک معاملہ طے کر دوں گا۔"

موؤدہ ... ...

احمد:۔ "کیا کمبخت عورت ہے میں کہہ رہا ہوں ہاں کر یا نا۔"

موؤدہ:۔ "آپ مالک ہیں میں کیا عرض کروں۔"

احمد:۔ "تو دعوے پر راضی ہے یا نہیں؟"

موؤدہ:۔ "میں عرض تو کر چکی دونوں کی لونڈی ہوں آپ کی بھی اُن کی بھی"

احمد:۔ "میں تجھ سے کہہ دیتا ہوں عمر بھر روئے گی۔ اگر دعوے پر آمادہ ہو جائے
تو گھر بیٹھے سب کچھ آ جائے گا عمر بھر عیش کیجیو۔"

موؤدہ:۔ "مجھے یہ تکلیف اس عیش سے بہتر ہے۔"

احمد:۔ "بس تو تو رضامند نہیں ہے؟"

موؤدہ۔ "مجھے اقرار ہے نہ انکار آپ کی اور ان کی دونوں کی فرمانبردار ہوں۔

اب احمد کا غصہ بڑھ گیا اس نے اپنے عزیز اقارب جمع کئے اور سب کو بٹھا کر
تمام واقعہ از ابتدا تا انتہا بیان کیا اور کہا۔

"میں اب اس عورت کو طلاق دیتا ہوں۔"

مسلمانوں کی یہ جماعت جس میں زیادہ تر عورتیں تھیں احمد کی داستان کو غور

سنتی رہیں۔ سب عورتیں بیاہی ہوئی تھیں اور طلاق کے نتائج سے اچھی طرح آشنا مگر ہر عورت نے احمد کی رائے سے اتفاق کیا اور طلاق کی صلاح دی۔
دفعتاً احمد بھنا کر اُٹھا۔ مودودہ ایک ایک کی طرف دیکھ رہی تھی کہ احمد کی تین طلاقیں اس کے کان میں پہنچیں اور غروب آفتاب سے قبل بدنصیب مودودہ سات مہینہ کا بچہ پیٹ میں لئے شوہر کے گھر سے رخصت ہوئی۔

(۱۴)

ودود ایک ہاتھ میں خط لئے، دوسرے ہاتھ سے سر پکڑے بیٹھا ہے مودود غور سے لڑکے کے چہرہ پر نظریں جمائے ہوئے ہے، ایکا ایکی ودود نے پھر خط کی تہہ کھولی اور اس طرح پڑھنا شروع کیا۔

" اماں جان کی خدمت میں دست بستہ آداب۔

خط کا جواب کیا عرض کروں، جس طرح آپ کی فرمانبردار تھی اسی طرح اس کی ہونگی جس کے سپرد آپ نے کیا۔ کوارپنہ شادی سے بہتر تھا اور شادی کوارپنہ سے۔ جب بھی خدا کا شکر تھا اور اب بھی ہے۔ اباجان کی صورت دیکھے مدتیں ہو گئیں خدا اُن کی عمر دراز کرے نہ معلوم اب مزاج کیسا ہے۔

اماں جان آپ کی شفقت اور محبت کا شکریہ اگر میرا رونگٹا رونگٹا ادا کرے تو ممکن نہیں۔ ہر وقت دُعا ہے کہ خدا آپ کو خوش رکھے۔ لڑکوں کی بہار دیکھنی نصیب کرے شادی کی گھڑیاں آئیں اور بہوؤں کی پالکیاں اُتریں۔ میرا حال پوچھ کر کیا کیجئے گا جو گذر گئی وہ اچھی، جو گذر رہی ہے وہ خوب، وہاں مار پیٹ نہ تھی یہاں وہ بھی میسر آگئی، مگر غور کیجئے تو مارنے والا بے قصور اور پٹنے والی سزاوار۔ لیکن یہ انقلاب خدمت میں اور یہ تغیر اطاعت میں فرق نہ آنے دیگا۔ آپ کی کنیز تھی ان کی لونڈی آپ کی فرماں برداران کی خادمہ۔

ماں باپ جنم کے ساتھی ہیں کرم کے نہیں۔ جو مقدر ہے اسکا مٹانیوالا کوئی نہیں۔ دُنیا جس طرح گذرنی تھی گذر گئی اور گذر رہی ہے۔ اب اندیشہ اُدھر کا ہے کہیں دُنیا کے ساتھ دین بھی نہ برباد ہو۔ یہ ظاہر تو ہُوا اور ضرور ہُوا۔ ماں جس نے جان قُربان کر خون جگر پلا، جوان کیا ایک دن بھی میں بدنصیب اس کی خدمت نہ کر سکی۔ باپ جس پر دُنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کا دارومدار تھا ایک دن بھی خوش نہ رہا۔ شوہر جو خدائے مجازی ہے صورت سے بیزار اور نام سے متنفر۔ المختصر دونوں جہان سے گئی اب سب کے احسانات میرے دل پر نقش ہیں۔ اباجان کہنے کو نا خوش مگر ایک رات جب تیل مل رہی تھی جس محبت کی نظر سے مجھ کو دیکھتے رہے وہ مرتے دم تک فراموش نہیں کر سکتی۔ بھائی جان کی شادی پانچویں بقر عید تھی، ہوگئی ہوگی۔ رات بھر تڑپی اور دن بھر روئی کہ ہزاروں کوس دُور ہوں۔ مجھے بیٹی سمجھ کر نہیں لونڈی خیال کر کے یاد فرالیتیں۔ پیاروں کو دُور سے دیکھ کر خوش ہو جاتی۔

آج دو مہینہ سے بخار روزانہ آرہا ہے دل اب جینے سے بھر چکا اسقدر عرض کرتی ہوں کہ میرا قصور سب سے معاف کرا دیجئے، اباجان کے ایک دفعہ پاؤں چومنے کا ارمان اباجان جی میں لے کر جاؤنگی۔ وہ مجھ سے ناخوش ہیں مگر منت سے کہونگی تو معاف کر دینگے۔ اباجان مجھے مرنا ہے اور بہت جلد آپ دونوں پر سے انشاءاللہ قربان ہونگی خدا گواہ ہے میں نے اباجان کو جان کر زہر نہیں دیا۔

بخار چڑھا ہوا ہے زیادہ نہیں لکھا جاتا۔ زندہ رہی تو پھر لکھوں گی سُنا ہے کہ اباجان میرا خط بغیر پڑھے پھاڑ دیتے ہیں۔ اگر یہ خط آپ تک پہنچ جائے تو میرا قصور معاف کرا دیجئے گا میری حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے، مر جاؤں تو صبر اور مغفرت کے واسطے دُعا کیجئے گا۔

آپ کی لونڈی

موؤدہ

(۱۳)

رات کے دو بجے تھے کہ محسنہ نے مودود کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:
"تم نے میری جو کچھ قدر و منزلت کی میرا منہ نہیں کہ اسکا شکریہ ادا کر سکوں۔
یہ میری بدنصیبی تھی کہ پیٹ کو آگ لگی اور لڑکی پیدا ہوئی مگر میں تم سے کہہ دیتی ہوں
کہ میری بچی وہ بچی ہے جس پر سات بیٹے قربان! تم نے اور میں نے دونوں نے
دیکھا کہ کوارپتہ کا زمانہ اس نے کس طرح تمہارے در پر ختم کر دیا کہ سننے والے
شائد مشکل سے یقین کریں۔ مہینوں نہیں برسوں دال اور چٹنی کے سوا کوئی غذا
اس کے پیٹ میں روٹی پہنچانے والی نہ تھی! مامائیں اور لونڈیاں زندہ ہیں،
بچے موجود ہیں، کوئی کہدے کہ اس کی تیوری پر کبھی بل آیا ہو، تم نے اس کا خط پڑھ
لیا، اب میری حالت لمحہ بہ لمحہ ردی ہو رہی ہے میرے سامنے اس کا قصور معاف
کر دو کہ مجھے اطمینان ہو۔"

مودود کو خود بھی اب بعض دفعہ مرض کی شدت میں یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ
اس کا غصہ خدا سے مقابلہ تھا۔ خط پڑھ کر اس کی طبیعت پر اسقدر اثر ہوا کہ وہ
تھوڑی دیر کیواسطے بالکل پتھر تھا۔ اسوقت بیوی کی اس گفتگو سے کچھ ایسی دل پر
چوٹ لگی کہ آنکھ میں آنسو آ گئے، ادھر بیوی کی بیماری اُدھر اپنا مرض اس پر یہ
معاملہ، ہر چند غور کیا کہ کچھ کر سکتا ہو تو کرے مگر ودود کو بلا کر صلاح لی تو دہ کانوں
پر ہاتھ دھر گیا۔ بیٹے کی گفتگو سن کر محسنہ نے شوہر سے کہا۔
"یہ تمام عمر میں پہلا اتفاق ہے کہ میں اپنے کانوں سے تمہارے یہ محبت آمیز
الفاظ اپنی بچی کے متعلق سن رہی ہوں۔ اپنے قدم آگے لاؤ کہ میں ان کو چوموں۔
تم نے میری التجا نہیں میری درخواست قبول کی۔"
اس کے بعد محسنہ نے بیٹے سے کہا۔

ودؤد میاں بہن تمہاری محبت کی بھوکی ہے۔ مال کی بھوکی نہیں۔ علاقہ خدا تم کو نصیب کرے۔ اسے پروا نہیں۔ تم اپنا جی نہ کڑھاؤ۔"

اتنا کہہ کر محسنہ کی طبیعت بگڑ گئی اور صرف یہ کہہ سکی۔

"مسلمان بچی مسلمان باپ کے مال میں ایک پیسہ کی حقدار نہیں"

آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ منظر سامنے آگیا جب زہر کے الزام پر خاموش ایک ایک کا منہ تک رہی ہے اسوقت محسنہ نے پھر ایک چیخ ماری اور کہا۔

"ہائے بے گناہ موؤدہ"

اس کے فقرہ کے ساتھ ہی بیمار محسنہ کے ہاتھ میں شوہر کا ہاتھ اور روح عالم بالا کو سدھاری۔

(۱۴)

آفتاب غروب ہونے سے کچھ دیر قبل موؤدہ اپنے مردہ بچہ کو گود میں لئے قبرستان کے اندر داخل ہوئی۔ اس نے ایک بڈھے شخص سے جو جھونپڑی میں بیٹھا حقہ پی رہا تھا کہا۔

"اس بچہ کو دفن کر دیجئے گا؟"

بڈھا "اور ہمارا کام ہی کیا ہے؟"

موؤدہ "مگر میرے پاس اسکا معاوضہ کچھ نہیں۔ میں اس بچہ کو کفن بھی نہ دے سکی"

بڈھا "بس تو آگے بڑھ"

موؤدہ "آپ مجھے زمین کھودنے کے اوزار دیدیجئے میں خود دفن کردوں"

بڈھا "کدال پھاوڑے کا کرایہ زمین کی قیمت دینی ہوگی۔ نہیں تو چل یہاں سے"!

اب شام ہو چکی تھی نماز کا وقت تھا۔ بچہ کی لاش ایک قبر پر رکھکر، موؤدہ نے

وضو کیا، نماز پڑھی، اور مردے کو لے کر چلی۔

چاندنی رات تھی، دریا سامنے لہریں لے رہا تھا، کنارے پر پہنچی اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا کروں کوئی دفن نہیں کرتا"

اتنا کہہ کر موؤدہ نے بچہ کا منہ کھولا پیار کیا دریا میں پھینک دیا اور با آواز بلند

"اللہ اکبر"

کہہ کر آگے بڑھی۔

(۱۵)

"مجھے تعجب اور حیرت ہے کہ اس شکل و صورت اور اس عادت و خصلت کی لڑکی پر ایسا کیا بجوگ پڑا کہ گھر سے باہر نکلی۔ دلالت اس کے چہرہ سے اور شرافت اس کی گفتگو سے ٹپک رہی ہے۔ میرا خط جو تم اٹک کر بھی نہ پڑھ سکیں اس نے کس روانی سے پڑھا ہے کہ میں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ حیا اس کی آنکھوں سے اور انسانیت اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہی ہے ذرا تم اسکو بلاؤ تو سہی"

سر سے پاؤں تک ایک چادر میں لپٹی ہوئی موؤدہ ایک بڈھے رئیس کے سامنے حاضر تھی۔

رئیس: "بیٹی دیکھو تم میری بیٹی کے برابر ہو اور مجھے معلوم ہو گیا کہ تم کسی بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو۔ اگر تم مجھے پتہ بتا دو تو میں خود تم کو تمہارے گھر پہنچا آؤں"

موؤدہ: "یہ ایک راز ہے جسکا افشا میرے باپ کی آبرو خاک میں ملا دیگا۔ آپ نے اپنے پوتے کی پرورش میرے سپرد کی ہے میں اسکی خدمت کرونگی اور پیٹ پالونگی"

موؤدہ کی عزت، اس کی انسانیت اور شرافت کا سکہ دونوں بڈھے میاں بیوی کے دلوں پر روز بروز نقش ہو رہا تھا۔ آخر ایک روز رئیس کی بیوی نے موؤدہ کا

سے کہا "بیٹی کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ تم شوہر دار تو نہیں ہو؟"

موؤدہ "جی ہاں بتا سکتی ہوں دُنیا میں میرا شوہر کوئی نہیں"

رات کو دونو میاں بیوی کی دیر تک اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی اور صبح کو رئیس نے بُلا کر موؤدہ سے کہا۔

"مجھے اب یقین کامل ہے کہ کسی شریف باپ کی بیٹی اور معقول خاندان کی لڑکی ہو تم میرے جس پوتے کی پرورش کر رہی ہو اس کی ماں سال گذشتہ میں انتقال کر گئی اور اب میری دلی آرزو ہے کہ میرا بیٹا حسن جو ولایت سے کامیاب ہو کر آیا ہے اور اب شمالی ہندوستان یعنی تمہارے ہی ملک میں جج ہے تم اس کی بیوی بنو اور سچ مچ کی ماں بنکر اس بچہ کی پرورش کرو"

موؤدہ کی آنکھیں اب تک زمین میں گڑی ہوئی تھیں لیکن اسوقت وہ خود زمین میں گڑ گئی۔ میاں بیوی کے اصرار سے موؤدہ خاموش ہو گئی اور شام کو اس کا نکاح حسن ابن علی جج سے ہو گیا۔

اس نکاح کے ساتویں روز موؤدہ نے ایک جلسہ کیا اور شہر کی تمام عورتوں کو جمع کر کے یہ تقریر کی۔

"میری عزیز بہنو! اسلام سے قبل عورت کی جو وقعت دُنیا میں تھی وہ تم نے آنکھ سے تو نہیں دیکھی مگر کان سے سُنی ہوگی۔ ابھی تاریخ میں ان لوگوں کے نام زندہ ہیں جنہوں نے کئی کئی جیتی جاگتی لڑکیاں عرب کے عمیق گڑھوں میں دفن کیں۔ کیا دُنیا اسوقت کو بھول سکتی ہے جب معصوم بچی نے جس کے دفن کے واسطے باپ گڑھا کھود رہا تھا یہ دیکھ کر کہ اسکی ڈاڑھی اور مُنہ خاک میں اَٹ گیا اپنے معصوم ہاتھوں سے اسکی خاک پونچھی مگر قصائی باپ نے پھر بھی اس کو دفن کر دیا!! جب یہ مظالم انتہا کو پہنچ گئے اور خدا کا غضب جوش میں آیا

تو خاک عرب سے وہ پاک رسولؐ اٹھا جس کی آواز عورت کی حمایت میں تمام دنیا پر غالب آئی اور خدائی فیصلے نے بتا دیا کہ جو حقوق عورت کو اسلام نے عطا کئے وہ دنیا کی کسی قوم اور کسی مذہب میں نہیں۔ میری پیاری بہنو! قربان اس رسول برحق کے جو ہمکو ہر قسم کی قید سے نکالکر گھر کی ملکہ بنا گیا، مگر افسوس مسلمان جس طرح مذہب مقدس کے ہر رکن کو فراموش کر چکے اسی طرح عورت کے حق کو بھی اور آج مسلمانوں کا شائد ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں بیٹا بیٹی کی پرورش میں امتیاز نہ ہو۔ کون باپ ہے جو ایمان سے یہ کہدے گا کہ وہ بیٹی کے پیدا ہونے سے افسردہ نہیں ہوا۔

مسلمانوں نے ہماری ذلت یہیں تک ختم نہیں کی بلکہ ہمارے مقابلہ میں رواج کو شرع اسلام پر ترجیح دے کر اپنے پاک مذہب کو ٹھکرا دیا۔

مسلمان باپ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جو خلوص جو محبت جو صداقت جو ہمدردی قدرت نے لڑکی کی ہستی میں ودیعت کی لڑکوں میں اسکا شمہ بھی نہیں مگر ہائے مسلمانوں کی بدنصیب قوم چار برس کی معصوم لڑکی محبت بھرے ہاتھ پھیلائے اور ظالم باپ اس جذبہ کی قدر نہ کرے!

مسلمانوں کے اسی مردود جذبہ کا شکار میں ہوں میں اس باپ کی بیٹی ہوں جس کا علاقہ دس بارہ لاکھ روپیہ سے کم نہیں مگر میری زندگی ایسی گذری کہ خدا دشمن کی نہ گذارے۔

لڑکیو! جو چیزیں تم کو ہر وقت میسر ہیں میں نے خواب میں بھی نہ دیکھیں سخت گرمی میں میرا جسم گاڑھے اور گزی سے ڈھکا اور چلے کے جاڑوں میں پھٹے پرانے لحاف اور رضائیاں پہنے اوڑھیں لیکن میں نے صبر سے کام لیا اور اپنے مذہب مقدس کے احکام کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اس کا بدلہ جو کچھ خدا نے مجھ کو دیا اسکا شکریہ مشکل بلکہ نا ممکن!

بہنوں میری زندگی سے سبق لو اور ہر حال میں خدا پر بھروسہ رکھو! جو کانٹوں پڑے بچھونوں کو دم بھر میں پھولوں بھری سیج بنا سکتا ہے۔

(۱۶)

مودودہ کی طرف سے ملا احمد کی مختاری میں ماں کے مہر کا دعویٰ عدالت میں دائر ہے۔ مودود اور ودود دونوں باپ بیٹے عدالت میں موجود ہیں۔ مقامی شہر کی زبردست شہادتیں پیش ہو چکیں مگر عدالت کی رائے اس یقین میں مذبذب ہے اس لئے مودود نے عذر کیا کہ ہمارے ہاں رواج پر فیصلہ ہوتا ہے اور لڑکی کے ترکہ کا رواج نہیں رواج کے متعلق عدالت نے اکابر قوم اور عمائد شہر سے رائے پوچھی، کثرت رائے نے مودود کے عذر کی تائید کی مگر چونکہ عدالت خود مسلمان تھی اس لئے یہ عذر مقبول نہ ہوا اور مودود کو اندیشہ ہوا کہ جائداد ہاتھ سے چلی۔ جج میں مجبور ہو کر مودود نے سوال کیا کہ مختار نامہ پر دستخط مودودہ کے ضرور ہیں لیکن اس کی حاضری کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ میرے سامنے آکر مجھ سے ترکہ مانگے۔

ملا احمد نے جواب دیا کہ

"پردہ نشین عورت حاضر نہیں ہو سکتی۔ کمیشن کے ذریعہ سے اظہار ہو جائے۔"

بحث کے بعد فیصلہ کی تاریخ مقرر ہوئی، عدالت کا کمرہ کھچا کھچ آدمیوں سے بھرا تھا، ڈاکٹر جس نے معافی مہر کی حالت صحت میں تصدیق کی، کھڑا سوچ رہا تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت عدالت میں حاضر ہوئی۔ مودود کی طرف دیکھا اور کہا۔

"آسمان اور زمین تمہارے مظالم سے تھرا رہے ہیں جس طرح اپنی بیگناہ بچی کی پرورش تم نے کی اسکی مثال دنیا میں نہ ملے گی۔ آج وہ بچی اور اسکی ماں دونوں دنیا میں نہیں ہیں۔ مگر دونوں باپ بیٹے موجود ہو اور سوچ سکتے ہو کہ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا!!

وہ وقت جب عید کے روز تم نے دُنیا بھر کی نعمتیں کھائیں اور وہ کلیجہ کا ٹکڑا! اس لئے کہ لڑکی تھی چٹنی کھا کر سوئی، ہمیشہ رہنے والا نہ تھا کیا تم اُس وقت کو بھول سکتے ہو جب بیگناہ پر زہر کا الزام رکھا اور وہ بیہوش ہو کر گری!!

کیا تم خدا کے اُس فیصلہ کو بھول گئے جس کی خبر اس آیت نے دی۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ

تم اس فرمانبردار لڑکی سے بدظن نہ ہو۔ وہ جس طرح کوارپنے میں تمہاری لونڈی تھی شادی کے بعد بھی رہی۔ اسنے مُلا احمد کی طلاق منظور کی اور باپ پر دعویٰ منظور کیا "مُلا جھوٹا ہے اور دستخط فرضی۔"

اتنا کہہ کر عورت نے اپنا برقعہ اُٹھا کر مودود کی طرف دیکھا تو اس کے کلیجہ کا ٹکڑا موؤدہ تھی۔

چاہتا تھا کہ اس کے قدموں پر گرے مگر اس نے روک لیا اور کہا۔

"مَیں وہی لونڈی، مگر مُلا احمد کی نہیں، اب اس جج حسن ابن علی کی بیوی ہوں"

حاضرین تھرا اُٹھے۔ ڈاکٹر آگے بڑھا اور کہا۔

"آج میں گواہی دیتا ہوں کہ موؤدہ بیگم بیگناہ ہیں! ایکہزار روپیہ دے کر مجھ سے زہر کی شیشی ودُود نے تیار کروائی۔"

اتنا سُن کر موؤدہ نے ڈاکٹر کو روک دیا اور کہا۔

"نہیں اس شہادت کی ضرورت نہیں زہر دینے والی میں تھی اور آج اُس قصور کی معافی باپ اور بھائی دونوں سے ہاتھ جوڑ کر مانگتی ہوں"

اتنا کہہ کر موؤدہ باپ کے قدموں میں گر پڑی اور چاروں طرف سے درازی عمر کے نعرے بلند ہوئے۔

سنہ ۱۹ء

ختم شد

۱۳۱۶۷

مصوّرِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کی مشہور کتابیں

حیاتِ صالحہ

"یا صالحات" علامہ محترم کی سب سے پہلی تصنیف جس نے جادو نگار مصنف کے کمالِ افسانہ نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بجا دیا تھا جس میں ایک نیک لڑکی کی زندگی کے وہ تمام واقعات نہایت ہی مؤثر پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں صالحات سے معلوم ہوگا کہ وہی باپ جو اولاد کا عاشق زار ہے، کس طرح بچوں کی جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، صالحات بتائے گی کہ جاہل سوتیلی ماں کس طرح سوکن کے بچوں کی مٹی پلید کرتی ہے، صالحات سے معلوم ہوگا کہ نیک کوکھ کی لڑکیاں مصائب کا کیسے کیسے ایثار اور قربانیوں سے مقابلہ کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ قصہ کے ضمن میں آج سے چالیس سال پہلے کے گھرانوں کی معاشرت، رسم و رواج وغیرہ نہایت دلچسپ طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ طرزِ تحریر کا کیا کہنا، زبان قلعہ معلیٰ کی بیگماتی کوثر سے دُھلی ہوئی۔ واقعات اسقدر مؤثر کہ کلیجے کے پار ہوتے ہیں۔ ہندوستانی زبانوں میں مستورات کے مطلب کے اس قدر بلند معاشرتی ناول بہت ہی کم لکھے گئے ہیں ہزارہا جلدیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں [illegible]

طوفانِ حیات

جس نے ایک دنیا میں دھوم مچا دی تھی جس کی تعریف میں اخبارات رطب اللسان تھے جس کا استقبال اردو علم ادب نے نہایت شاندار کیا تھا۔ کئی سال سے نا پید تھی اور ہزاروں شائقین اس کے مطالعہ کے لیے بیچین تھے اب عالمِ نسواں میں نہایت مسرت کے ساتھ سنا جائیگا کہ طوفانِ حیات پھر چھپ کر تیار ہے۔ قبیح رسوم اور شرک و بدعت مسلمانوں کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر چکے ہیں مشکل سے کوئی گھر ہوگا جہاں ان لغویات کا گذر نہ ہو۔ اس کتاب کی ہیروئن مشرکہ کی زندگی اس قدر دلچسپ ہے کہ پڑھنے والا حیران ہو جاتا ہے وہ رسوم جنہوں نے مسلمانوں کا خاکہ اڑا دیا اس وضاحت اور خوبی سے بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے کے بعد گھر میں ایسی رسموں کا نشان باقی نہیں رہتا، شرک جو دنیائے نسواں پر عام طور سے قابض ہے طوفانِ حیات کے مطالعہ سے کوسوں دور بھاگ جاتا ہے اور رسوم مروجہ خوفناک اژدہے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے قصہ کی دلچسپی زبان کی سلاست کے متعلق کچھ کہنا فضول ہوگا واقعات اسقدر دردانگیز کہ ہچکی بندھ جاتی ہے اعلیٰ کاغذ [illegible]

[illegible]

نوحۂ زندگی

غیرت دار خاتون اپنے دونوں بچوں کو لیکر پیوند خاک ہوگئی مگر دنیا آجتک اس بدنصیب ہستی کا ماتم کر رہی ہے جو عصمت کے نام سے دنیا میں پیدا ہوئی، وہ سنگدل باپ جس نے اصل نسل مغلانی اور اس خاندان کی لڑکی کو جسکا آنچل تک فرشتوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوا بھرے پنچوں میں اس گناہ پر کہ نکاح ثانی کیا عدالت تک گھسیٹ کر جیلخانہ پہنچا دیا، باغ باغ ہے، وہ پتھر جس نے نو مہینے پیٹ میں رکھا اور تیرہ برس پرورش کرنیکے بعد معصوم اور بیگناہ بچی کو یہ دیکھکر کہ نکاح ثانی کے جرم میں بیٹھا اور بے قصور لڑکی قید کی مصیبتیں جھیل رہی ہے، نہال نہال ہے، دو زندہ روحیں نظام دنیا کے سلسلہ میں عذاب قید سے مردوں کے قریب پہونچ چکی تھیں کہ نظام قدرت اپنا ہاتھ بلند کرتا ہے اسکا جواب اس کتاب میں ملیگا جو علامہ راشد الخیری صاحب کی بے مثل کتاب

نوحۂ زندگی

ہے یہاں آپکو ایک ایسا قبرستان ملیگا جسمیں ایک عصمت کی لاج رکھنے والی بیوی اور غیرت پہ قربان ہونے والی ماں اپنے دو معصوم بچوں کو دائیں بائیں لئے گہری نیند سو رہی ہے کتاب نہیں ایک جادو ہے جسکا ہر لفظ مرثیہ ہو اور یہ حق رکھتا ہے کہ ہر مسلمان ایکدفعہ اسکو پڑھے اور دیکھے بیوہ اور اسکی زندگی نے اسلام میں کیا صورت اختیار کی نوحۂ زندگی باطل پرستوں کو حق پرستی کا سبق سکھائیگی اور مسلمانوں کو بتائیگی کہ ایک مسلمان کیلئے رسم و رواج نہیں مذہب سب سے بڑی چیز ہے۔ بیوہ کے نکاح

جوہر قدامت

یوں تو علامہ محترم کی ہر تصنیف کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے مگر جوہر قدامت کا ایک باب بھی ایسا نہیں کہ مسلمان اپنی داستان پارینہ سنکر بیتاب نہ ہو جائیں دل تڑپتا ہے اور آنکھیں صحبت شب کا سماں پھر ڈھونڈھتی ہیں جو دم توڑ رہا ہے جوہر قدامت میں دو بہنوں کی پرلطف کہانی۔ دو لڑکیوں کی مفصل زندگی دو عورتوں کی جگر خراش داستان ہے جن میں ایک دور قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی دلدادہ ہے، عالم نسواں آج سے پچاس سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا مسلمان گھرانوں میں اسوقت کیسے کیسے لعل گودڑیوں میں چمکتے تھے اور مغربی رو انہیں کس سمت لیجا رہی ہے اس مشہور کتاب سے معلوم ہوگا جس کے اوپر تلے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (۱؎۸)

نسوانی زندگی

یونتو حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ نے اپنی ہر تصنیف میں عورت کی مختلف حیثیتیں دکھائی ہیں مگر اس کتاب میں خصوصیت کیساتھ عورت کی چار حیثیتوں سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ماں بیوی بیٹی بہن کی ہر حیثیت میں عورت ایسا ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتے ہیں۔ نسوانی زندگی کا ہر افسانہ بے انتہا دلچسپ ہونیکے ساتھ سبق آموز اور درد و اثر سے لبریز ہے ایک ایک سطر کلیجہ پار ہوتی ہے قیمت

ملنے کا پتہ: منیجر عصمت دہلی

Printed at the Mahboob-ul-Mataba Press, Delhi.